ماھنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

June - 2025

مُدیرِمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۲) ذی الحجہ ۱۴۴۶ھ مطابق جون ۲۰۲۵ء شمارہ (۱۲)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورۂ ملک	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۴)
درس حدیث		
دور حاضر اور علامات قیامت	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۱۰)
مقالات ومضامین:		
نظافت	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۱۲)
سنت حضرت خلیل علیہ السلام	حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ	(۱۴)
خطبۂ حجۃ الوداع...	مولانا عبد الصبور شاکر	(۲۲)
حج: مظہر عشق وبندگی	مولانا سید محمد سلیمان بنوری	(۲۶)
قربانی کی فضیلت...	مولانا محمد راشد شفیع	(۳۱)
تصوف کی غرض وغایت	علامہ سید سلیمان ندوی	(۳۴)
آج بھی ہو جو ابراہیم کا...	عمر فاروق ندوی فتحپوری	(۳۵)
قربانی اور فریج وفریزر	مولانا ناصر الدین مظاہری	(۴۰)
سائنس اور قرآن	مولانا ثمیر الدین قاسمی	(۴۲)
فقہ وفتاوی		
مسائل قربانی	ادارہ	(۴۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

محمد صغیر قاسمی

قربانی یادگار ہے اس عظیم قربانی کی، جو اللہ تعالی کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے، اپنے لخت جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلا کر بارگاہ ایزدی میں پیش کی تھی۔ یہ قربانی اولاد کی نہیں تھی، بلکہ خواہشات کی، تمناؤں کی اور آرزؤں کی تھی، انسان کے لئے اپنی جان کو قربان کر دینا آسان ہے، بمقابلہ اپنے ہونہار اور چہیتے لخت جگر پر چھری چلانے کے۔ درحقیقت اس حکم کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا تھا کہ وہ حکم ربی کو ترجیح دیتے ہیں یا اولاد کو۔ لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام امتحان میں کامیاب رہے، اور بے چوں و چراں اپنے رب کے حکم پر عمل کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ یہ اتنی مشکل گھڑی تھی اور اتنا سخت امتحان تھا کہ نوع انسانیت کا نہ اس سے پہلے ایسا امتحان ہوا اور نہ اس کے بعد۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم خداوندی پر عمل کر کے، آنے والی نسلوں کو یہ واضح پیغام دیا کہ اصل انسانیت اور اصل عبدیت و بندگی یہ ہے کہ حکم ربی کے سامنے انسان جھک جائے اور بے چوں و چراں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے، حکم ربی کے سامنے کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ خواہ وہ جان ہو یا مال و اولاد، راہ خدا میں سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے، لیکن خدا کے حکم سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔

آج مسلمان بڑے شوق سے قربانی کرتا ہے، عمدہ سے عمدہ قیمتی جانور قربانی کے لئے خریدتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس قربانی کے وقت کیا وہ اس پیغام بھی کو پیش نظر رکھتا ہے، جو اولاد کی قربانی پیش کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا تھا، کیا وہ قربانی کرتے وقت اپنی ناجائز آرزؤں و تمناؤں کو بھی حکم ربی کے سامنے قربان کرنے کا عہد کرتا ہے، گناہ و معصیت سے توبہ کرتا ہے، جس کا مال حرام طریقے سے ہڑپا ہے اسے واپس کرنے کا عزم کرتا ہے، آئندہ کوئی نماز قضا نہیں ہوگی، پڑوسیوں کے حق کی تلفی نہیں ہوگی، خدا کے کسی حکم کو اپنی خواہشات کا بندہ بن کر نہیں توڑوں گا۔ اگر یہ عزم نہیں کرتا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کس چیز کی قربانی وہ دے رہا ہے۔

صرف جانور ذبح کر دینا اور اس کا گوشت پکا کر کھا لینا کوئی قربانی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے: ''لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ'' (اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔) یعنی جانور کو ذبح کر کے محض گوشت کھانے کھلانے یا اس کا خون گرانے سے تم اللہ کی رضاء کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ نہ گوشت اور خون اٹھ کر اس کی بارگاہ تک پہنچتا ہے، اس کے یہاں تو تمہارے دل کا تقویٰ اور حکم خداوندی کی اطاعت کا جذبہ ہی پہنچتا ہے کہ کیسی خوش دلی اور جوش محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ مومن نے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ جانور کیا ہے، اگر ضرورت پڑی اور وقت آ گیا تو ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لیے تیار ہیں۔ بس یہ ہی وہ تقویٰ ہے اور جذبہ اطاعت ہے، جس کی بدولت وہ محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

درس قرآن کریم

سورۃ الملک

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ۝ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۝ أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

ترجمہ:

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھلائے ہوئے [اڑتے پھرتے] ہیں اور [کبھی اسی حالت میں] پر سمیٹ لیتے ہیں، بجز [خدائے] رحمٰن کے ان کو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے، بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ [اور جس طرح چاہے اسمیں تصرف کر رہا ہے]۔ ہاں رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر (آفات سے) تمہاری حفاظت کر سکے [اور] کافر [جو اپنے معبودوں کی نسبت ایسا خیال رکھتے ہیں] تو کافر نرے دھوکے میں ہیں۔ [اور] ہاں [یہ بھی بتلاؤ کہ] وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچادے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کرلے [مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے]، بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت [عن الحق] پر جم رہے ہیں۔ [پس اس کافر کے متعلق سوچو کہ] جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو، وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہوگا، یا وہ شخص جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو۔

تشریح وتفسیر

"أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ"

(کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھلائے ہوئے [اڑتے پھرتے] ہیں اور [کبھی اسی حالت میں] پر سمیٹ لیتے ہیں، بجز [خدائے] رحمٰن کے ان کو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے، بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ [اور جس طرح چاہے اسمیں تصرف کر رہا ہے])

پہلے آسمان وزمین کا ذکر ہوا تھا۔ اب درمیانی چیز کا ذکر کرکے، اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت اور اس کے سامنے ہر مخلوق کی

بے بسی ایک مثال کے ذریعے واضح فرمائی جارہی ہے۔قرآن کریم اپنے پڑھنے اور سننے والوں سے مخاطب ہوکر کہہ رہا ہے کہ کیا لوگ اپنے اوپر پرندوں کو ہوا میں اڑتا ہوا نہیں دیکھتے کہ وہ نہایت اطمینان سے فضاء میں کبھی اِدھر، کبھی اُدھر اٹھکیلیاں کرتے پھرتے ہیں حالانکہ ان کا جسم ہوا سے بھاری ہے۔اپنے وزن کی وجہ سے انھیں زمین پر گر جانا چاہیے۔زمین کی کشش ثقل ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور یہ چھوٹے بڑے جانور اس قانونِ کشش سے آزاد نہیں ہیں اور کوئی اور قوت فضاء میں ان کو تھامنے والی نہیں ہے۔ باایں ہمہ جب تک ایسی تیز ہوا نہ چلے جو پرندے کی قوت مدافعت پر غالب آجائے یا پرندہ بیمار نہ ہوجائے یا ژالہ باری پرندوں کو زخمی نہ کردے، اس وقت تک پرندہ اپنی مرضی کیخلاف زمین پر گرنے نہیں پاتا۔

سوال یہ ہے کہ فضاء میں اسے کس نے تھام رکھا ہے، وہ کون ذات ہے جس نے پرندے کو وہ ساخت عطا فرمائی ہے جس سے وہ اڑنے کے قابل ہوا، وہ کون ہے جس نے ہر پرندے کو اڑنے کا طریقہ سکھایا اور پھر وہ کون ذات ہے جس سے ہوا کو ان قوانین کا پابند کیا جس کی بدولت ہوا سے زیادہ بھاری جسم رکھنے والی چیزوں کو اس میں اڑنا ممکن ہوا؟ ان سب باتوں کا جواب ایک ہی ہے کہ وہ ذات، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اس نے صرف پرندوں کو ہی نہیں بلکہ ہمارے سروں کے اوپر تنی ہوئی ہر چیز کو تھام رکھا ہے۔

آسمان بغیر ستون کے کھڑا ہے، وہ ہمارے سروں پر گر کیوں نہیں جاتا؟ صرف اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت نے تھام رکھا ہے۔فضائے لامتناہی کے کواکب ونجوم اور اس کے ثوابت اور سیارے اللہ تعالیٰ کے سوا کس نے تھام رکھے ہیں۔ان میں سے کوئی ایک بھی اگر گر جائے تو پورے کُرۂ ارض کو تہہ وبالا کر کے رکھ دے۔یہ صورتحال ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ انسان سمیت تمام مخلوقات کتنی بے بس ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کس قدر عظیم قدرتوں کی مالک ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ پرندوں کی مثال سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ صرف پرندوں کو فضاء میں سنبھالے ہوئے ہے اور باقی مخلوقات اپنے بل بوتے پر اپنے فرائض ادا کررہی ہیں۔فرمایا، ایسا نہیں۔(روح القرآن) بلکہ (وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔) اور اس کی نگہبانی کررہا ہے۔ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کا بھی وہی نگہبان ہے اور زمین اور اس کے رہنے والوں کا بھی وہی نگہبان ہے۔اگر ذرا بھی اپنی نگہبانی چھوڑ دے تو ہر چیز ہلاک ہوجائے۔بڑے بڑے کرات کس تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں ان کا بھی نگہبان یا گاڈ ہے۔آپس میں لڑنے نہیں دیتا۔دریا میں بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں دوڑتی پھرتی ہیں ان کا بھی وہی نگہبان ہے، انسان کا وجود اور اس کی حیات میں خلل انداز چیزوں کی روک تھام اسی کا کام ہے۔ایک کور باطن ان سب باتوں کو اسباب سے جانتا ہے، روشن ضمیر مسبب الاسباب سے سمجھتا ہے، توحید وشرک، کفر واسلام میں یہی فرق ہے۔کافر اپنے اسباب پر مغرور رہتا ہے وہ انہیں کو اپنے فتح ونصرت کا لشکر سمجھتا ہے اس لیے ان کے مقابلہ میں فرماتا ہے۔(حقانی)

یہاں تک ممکنات وموجودات کی مختلف اصناف کے حالات میں غور وفکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کے وجود اور توحید اور بے نظیر علم وقدرت کے دلائل جمع فرمائے گئے جن میں ذرا بھی غور وفکر کرنیوالے کو حق تعالیٰ پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہیں

رہتا۔ اب آگے ختم سورت تک کفار وفجار منکرین اور بدعمل لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ پہلے اس پر تنبیہ کی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکتی، تمہارے لشکر اور سپاہی اس سے تم کو نہیں بچا سکتے۔ (معارف) چنانچہ ارشاد ہے:

''أَمَّنْ هَٰذَا ٱلَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ ٱلرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ ٱلْكَٰفِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ''

(ہاں رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر [آفات سے] تمہاری حفاظت کر سکے [اور] کافر [جو اپنے معبودوں کی نسبت ایسا خیال رکھتے ہیں] تو کافر نرے دھوکے میں ہیں۔) کہ ان کے باطل معبودوں اور فرضی دیوتاؤں کی فوج ان کو اللہ کے عذاب اور آنے والی آفت سے بچالے گی؟ خوب سمجھ لو! رحمان سے الگ ہو کر کوئی مدد کو نہ پہنچے گا۔ (عثمانی)

وہ جب چاہتا ہے تمام اسباب میں کھنڈک ڈال دیتا ہے۔ ریل گاڑی کو الٹا دیتا ہے، تار کو روک دیتا ہے، دریا میں آگبوٹوں کو ڈبو دیتا ہے، باوجود صفائی کے وبا کا لشکر بھیج کر ستیاناس کرا دیتا ہے، لشکروں کے دلوں میں ضعف وخوف ڈال دیتا ہے، عقلیں مار دیتا ہے، پھر جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے۔ پھر وہاں کوئی تدبیر نہیں چلتی، کوئی سبب کام نہیں آتا۔ اس کے بادلوں کے لشکر اور ہوا کے توپخانے اور آسمانی پتھروں کے گولے اور زلزلے کا ڈائنامیٹ تھوڑی سی دیر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ الغرض سب تدبیریں بگاڑ دیتا ہے پھر وہاں کوئی کام نہیں آسکتا۔

اسباب ظاہر یہ کے سوا عرب کے جاہل بلکہ عموماً اور ملکوں کے جاہل بھی اپنے خیالی معبودوں اور ان کی عجائب تاثیروں کو ہر مصیبت کے وقت اپنا یار و مددگار سمجھتے تھے بلکہ اب تک سمجھتے ہیں۔ اپنی جان اور اولاد اور مال کی حفاظت اور ترقی کہیں ستاروں پر محول کرتے ہیں، کہیں غیر مرئی ارواح کے سپرد کرتے ہیں' کہیں ٹوٹکوں اور منتروں کے تاثیرات سے مرض وبلا کا دفعیہ سمجھتے ہیں اور خدائے قادر کو چھوڑ کر ان چیزوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے کہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلام انسان کو ان بکھیڑوں سے نجات بخش دیتا ہے۔ (حقانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قریش مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور قیامت میں جوابدہی سے ڈراتے تھے، تو یہ فکرمند ہونے کی بجائے مذاق اڑاتے تھے، حتیٰ کہ ان کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ جب بھی ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سامنا ہوتا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عذاب کا مطالبہ کرتے یا قیامت کے جلد وقوع پذیر ہونے پر اصرار کرتے۔ اس آیت کریمہ میں ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم جس بے باکی سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو، ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمھارے پاس وہ کون سا لشکر ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مقابلہ کرو گے۔

اگر پروردگار نے تمھاری تباہی کا فیصلہ کر لیا تو کیا تم زمین کو پھٹنے یا ہچکولے کھانے سے روک سکتے ہو یا اوپر سے اگر پتھروں کی بارش شروع ہوگئی تو تمھارے پاس کون سی ایسی پناہ گاہ ہے، جس میں تم اپنے آپ کو بچا سکو گے۔ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی جب گرفت آتی ہے تو قلعوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے لوگ بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ جن لوگوں کو یہ گمان ہوتا ہے

کہ ہمارے دفاعی حصار نا قابلِ تسخیر ہیں، ان کے حصار بھی مکڑی کے جالے ثابت ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کافر بہت بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ وہ عذاب کی دھمکی کو محض ایک مذاق سمجھتے ہیں اور اسے تسلیم کرنے کے لیے اپنی آنکھوں کے سامنے اس کا وقوع ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھتا ہے کہ عذاب کے نازل ہوجانے کے بعد اسے تسلیم کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ (روح القرآن)

"أَمَّنْ هَٰذَا ٱلَّذِى يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُۥ ۚ بَل لَّجُّوا۟ فِى عُتُوٍّ وَنُفُورٍ"

(اور ہاں [یہ بھی بتلاؤ کہ] وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچادے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کرلے [مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے] بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت [عن الحق] پر جم رہے ہیں۔ یعنی تم کو رزق کون دے گا اگر خدا اپنا رزق تم سے روک لے۔ مطلب یہ ہے کہ بارش اور رزق پیدا کرنے والے اسباب فطری روک لے یا رزق پیدا کرنے والے اسباب کی اثر انگیزی ختم کردے بارش ہو، ہوا بھی چلے، زمین میں قوت نامیہ بھی ہو، مگر غلّہ پیدا نہ ہو۔

یہاں قریشِ مکہ اور دیگر منکرین سے سوال کیا جارہا ہے کہ تم جو اللہ تعالیٰ کے دین کی بات سننے کے روادار نہیں ہو اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی پر اس لیے تلے ہوئے ہو کہ وہ تمھیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین سے تمھاری یہ سرکشی اور بے نیازی کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے خوشحالی عطا فرمائی ہے۔ اس کے گھر کی برکتوں سے تمھارے تجارتی راستے کھلے ہیں۔

عرب کے تمام قبائل راستے مخدوش ہونے کی وجہ سے جن تجارتی منڈیوں تک نہیں پہنچ سکتے، تم صرف اس لیے پہنچ جاتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے گھر کے متولی اور خدمت گزار ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بجالاتے اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے دین کی علمبرداری کرتے۔ لیکن تم نے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہوئے اس کے پیغمبر کی دشمنی اور اس کے دین کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ جس پروردگار نے تمھیں رزق کے وسائل عطا فرمائے ہیں اگر وہ چاہے تو رزق کے ان سوتوں کو خشک نہیں کرسکتا۔ تمھاری زندگی کے بیشتر معاملات کا دارومدار نزول باراں پر ہے۔

اگر وہ اس کا نزول روک دے تو تم قحط کا شکار ہوجاؤ۔ اسی طرح تمھارے باقی وسائل کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کردے یا تم پر جنگ کے بادل مسلط کردے، تو بتاؤ تم اللہ تعالیٰ کا کیا بگاڑ سکتے ہو اور اپنی زندگی کی بقاء کا کیا سروسامان کرسکتے ہو۔ تمھاری احتیاج اور تمھاری بے بسی تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی تمھیں حق کی طرف لانے کی بجائے حق سے دور کیوں لے جارہی ہے۔ تم اپنی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کو دیکھتے ہوئے بھی نہ جانے کیوں اس کا دین اختیار کرنے اور اس کے فرمانبردار بندے بننے کے لیے تیار نہیں ہو۔ پھر خود ہی پروردگار نے اس کا سبب بیان فرمایا، کہ بات دراصل یہ ہے کہ تمھارے اندر ایک سرکشی پیدا ہوگئی ہے اور حق بیزاری تمھارا رویہ بن گیا ہے اور سچائی اور دین کی ہر بات سے تمھیں کد اور ضد ہوگئی ہے۔ تو جس قوم کو یہ بیماریاں لاحق ہوجائیں انھیں کوئی بات سمجھانا ممکن نہیں ہوتا۔

بات اسے سمجھائی جاسکتی ہے جو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، لیکن جہاں ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہو جائے وہاں بات سمجھانا تو اپنا سر پھوڑنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ (روح القرآن)

آگے میدان قیامت میں کافر و مومن کا جو حال ہونا ہے اس کا ذکر ہے کہ قیامت کے میدان میں کفار اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ پاؤں پر چلنے کے بجائے سر کے بل چلیں گے۔ اسی کو اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ (معارف)

"أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ"

(پس اس کافر کے متعلق سوچو کہ] جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو، وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو۔) یعنی ظاہری کامیابی کی راہ طے کر کے وہی مقصد اصلی تک پہنچے گا، جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا ہو کر چلے۔ جو شخص ناہموار راستہ پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہو، اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ یہ مثال ایک موحد اور ایک مشرک کی ہوئی۔ محشر میں بھی دونوں کی چال میں ایسا ہی فرق ہوگا۔ (عثمانی)

ایک اعتراض اور جواب: "أَهْدَىٰ" اسم تفضیل ہے، جس کا معنی ہے زیادہ ہدایت یافتہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت یافتہ تو کافر بھی ہے۔ اصل ہدایت تو اس کو بھی حاصل ہے مگر مؤمن اس سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟۔ جواب یہ ہے کہ: لفظ "أَهْدَىٰ" نہیں چاہتا کہ مفضل علیہ (کافر) میں اصل ہدایت واقعی طور پر متحقق ہو، بلکہ فرضی وجود کافی ہے۔ (یعنی کافر میں اگر بالفرض ہدایت مان بھی لی جائے، تب بھی مؤمن اس سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔)

حضرت قتادہؒ نے فرمایا جو شخص دنیا میں گناہوں پر اوندھا ہو گیا۔ قیامت کے دن منہ کے بل چلے گا، جب کہ مؤمن سیدھے چل رہے ہوں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا؟ فرمایا: کیا وہ خدا جو دنیا میں قدموں سے چلاتا ہے، قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں ہے۔ ایسی ہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے امام ابوداؤد نے بھی نقل کی ہے۔ (مظہری)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص جو آسمانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے رستے پر صاف چلا جاتا ہے، وہ مومن نیک ہے، ضرور منزل مقصود پر پہنچے گا۔ اور یہ ٹھوکریں کھانے والا جاہل سرکش نفس اور شہوت اور جہالت اور رسم آبائی کے رستے پر چلتا ہے، جو بڑا خاردار اور خطرناک رستہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے عمیق گڑھے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا پڑتا جاتا ہے۔ یہ منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا، گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوگا۔ یہ کافر، سرکش اسلام سے نفرت کرنے والے کی مثال ہے۔ (حقانی)

انسان کے بگاڑ کے اصل اسباب: کفارِ مکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلآویز شخصیت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کی فصاحت و بلاغت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتِ کردار کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تو اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی پائی جاتی ہے۔ اور دوسری وجہ پیش نظر آیت کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کا رویہ اور ان کا طرزِ عمل دو باتوں کی غمازی کرتا ہے اور یہی

درحقیقت ان کی دو بیماریاں ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ زندگی کے معاملات میں جن کا تعلق بالخصوص اخلاق اور اجتماعی زندگی سے ہے ایک خاص روش رکھتے ہیں اور وہ روش یہ ہے کہ ان معاملات میں وہ غور وفکر، تجربے، عقل وشعور اور صاحب الرائے لوگوں کی رہنمائی لینے کی بجائے جو طریقہ انھیں اپنے آباؤاجداد اور اپنے ماحول سے ملا ہے، اندھوں کی طرح سر جھکائے اسی پر چلنا صحت وصداقت کا تقاضا سمجھتے ہیں۔عقل بیشک ان باتوں کو قبول نہ کرے، اخلاق بیشک اس کی مخالفت کریں، لیکن وقت کا چلن اگر اس کی تائید کرتا ہے تو وہ نہ عقل کی بات سنتے ہیں اور نہ اخلاق کی۔وہ اپنے رسم ورواج کو سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہیں اور زندگی کے بارے میں ان کے تصورات ایک جگہ جامد ہو چکے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہوس کی حکمرانی اور اسبابِ دنیا کی محبت نے انھیں ایسا اندھا کیا ہے کہ اب ان کا چلن کتے کے چلن کے مشابہ ہو کر رہ گیا ہے۔جس طرح کتا زمین پر چلتا ہوا زمین کو سونگھتا ہوا چلتا ہے کہ شاید کہیں سے بوئے طعام آجائے اور میں اسے کھود کر نکال لوں، ممکن ہے کہیں ہڈی چھپی ہوئی ہو۔خواہش کا غلام بھی خواہشوں کی تکمیل میں سر جھکائے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتا رہتا ہے۔ایسا شخص ظاہر ہے کہ کبھی راہ ہدایت نہیں پا سکتا۔ہدایت کی راہ اس کو ملتی ہے جو سیدھی راہ پر سر اٹھا کر داہنے بائیں اور آگے پیچھے کا جائزہ لیتا ہوا چلتا ہے۔وہ عقل کی بات بھی سنتا ہے اور نصیحت کی بات بھی۔وہ خواہشوں کو مقاصدِ زندگی میں تبدیل ہونے نہیں دیتا۔وہ اپنی حیثیت کا تعین کرنے کے بعد بندگی کی شاہراہ پر بندگی ہی کے تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے سیدھا سفر کرتا ہے۔اس طرح اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔انسانی اور حیوانی زندگی میں یہی بنیادی فرق ہے۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے مستوی القامت پیدا فرمایا ہے۔جانوروں کی طرح زمین کی طرف جھکا ہوا پیدا نہیں کیا گیا۔یہ سر اٹھا کر اور دائیں بائیں دیکھ کر چلتا ہے۔اور جانور صرف خواہشِ طعام میں سر جھکا کے چلتا رہتا ہے کیونکہ اس کی زندگی کا سفر معدے سے شروع ہو کر معدے پر ختم ہوتا ہے، یہی اس کا مطاف ہے۔لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے بندۂ شکم نہیں، اپنا بندہ بنایا ہے۔اس لیے اس کی زندگی کی تگ وتاز کا میدان بڑا وسیع ہے۔(روح القرآن)

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

درس حدیث

دورحاضر اور علامات قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کہا جانے لگے گا:

عَن أَبِی هُرَیرةَ رَضی الله عنه قَال قَال رَسُوْلُ الله ﷺ: سَیَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتُ، یُصَدَّقُ فِیهَا الْكَاذِبُ، وَیُكَذَّبُ فِیهَا الصَّادِقُ، وَیُؤْتَمَنُ فِیهَا الْخَائِنُ، وَیُخَوَّنُ فِیهَا الْأَمِینُ، وَیَنْطِقُ فِیهَا الرُّوَیْبِضَةُ۔قِیلَ وما الرُّوَیْبِضَةُ؟ قَالَ: الرَّجُلُ التَّافِهُ یَتَكَلَّمُ فِیْ أَمْرِ الْعَامَّةِ۔ (کتاب الفتن، باب شدة الزمان: ۴۰۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عنقریب لوگوں پر دھوکے اور فریب کے چند سال آئیں گے کہ ان میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، خیانت کرنے والے کو امانت دار اور امانت دار کو بددیانت سمجھا جائے گا، اس زمانہ میں رویبضہ بات کرے گا۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا: رویبضہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حقیر اور کمینہ آدمی، لوگوں کے امور عامہ کے بارے میں بات کرے گا۔(گرے پڑے نااہل لوگ قوم کی نمائندگی کریں گے)

مسند احمد بن حنبل میں یہی روایت حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:

"إِنَّ أَمَامَ الدَّجَّالِ سِنِینَ خَدَّاعَةً، یُكَذَّبُ فِیهَا الصَّادِقُ، وَیُصَدَّقُ فِیهَا الْكَاذِبُ، وَیُخَوَّنُ فِیهَا الْأَمِینُ، وَیُؤْتَمَنُ فِیهَا الْخَائِنُ۔ (مسند احمد: 13299)

(دجال کے خروج سے پہلے لوگوں پر دھوکے اور فریب کے چند سال آئیں گے کہ ان میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، خیانت کرنے والے کو امانت دار اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا۔)

اس حدیث پاک میں چند امور بیان کیے گئے ہیں:

(۱) "دجال کے خروج سے پہلے لوگوں پر دھوکے اور فریب کے چند سال آئیں گے"، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بارش تو خوب ہوگی، جس سے پیداوار میں کثرت کی امید بندھے گی؛ مگر جب وقت آئے گا، تو کچھ بھی پیداوار نہ ہوگی اور قحط پڑ جائے گا، یہی ان سالوں کا دھوکہ ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بارش کی کمی کی وجہ سے کھیتیاں اور باغات اور ندی نالے سب خشک ہو جائیں گے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایسے سال آئیں گے، جن میں دھوکہ اور فریب زیادہ ہو جائے گا، مکر و دجل کی گرم بازاری ہوگی اور سچ و جھوٹ، کفر و ایمان اور حق و باطل میں امتیاز دشوار ہو جائے گا۔ اس زمانہ کے لوگ دھوکہ اور فریب کے عادی؛ بل کہ ماہر ہو جائیں گے۔

جیسا کہ اس کا آج ہم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کہ پہلے دھوکہ باز کو، دھوکہ بازوں اور مکاروں کی جماعت میں دیکھا جاتا تھا اور ایسے لوگوں کو برا سمجھا جاتا تھا۔لیکن اب یہ صفت کمال کی سمجھی جاتی ہے، اور اسے ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، نیز اب ان لوگوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں، جو اہلِ دین واہلِ دیانت کہلاتے ہیں؛ حتی کہ اہلِ علم میں، علمائے سوء کا گروہ، دین میں غیر دین اور سنت میں بدعت کی ملاوٹ کر رہا ہے، جس سے ایک خالی الذہن طالب حق کو تلاشِ حق کی راہ میں رکاوٹ پیش آتی ہے؛ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہمیشہ علمائے حق کے ایک گروہ کو، علمائے سوء کی جاری کردہ بدعات وخرافات اور تحریفات وتاویلات کی نقاب کشائی اور ان کی اصلیت وحقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تیار رکھتے ہیں اور وہ دلائل وبراہین کی روشنی میں ان کا قلع قمع کرتے رہتے ہیں؛ تاہم انجانے لوگوں کے لیے علمائے سوء کی تحریفات وتاویلات اور بدعات، شکوک وشبہات کا سبب ہوتی ہیں۔

جب سے شوشل میڈیا کا دور دورہ آیا ہے، دھوکہ بازوں اور فریب کاروں کا گروہ مسلسل یوٹیوب، فیس بک، ٹیوٹر اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ، دھوکہ دھڑی اور فریب کاری میں مصروف رہتا ہے، خواہ دنیاوی امور میں دھوکہ دھڑی کر کے لوگوں کو ٹھگنے والے ہوں، یا دین کے نام پر دھوکہ دھڑ کرنے والے ہوں، کہ غلط باتوں کو دین بنا کر پیش کرتا ہے،، اور لوگ بھی ان کے جھانسے میں پھنستے رہتے ہیں۔ دونوں طرح کے لوگ موجود ہیں۔

(۲)'' جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا'' مطلب یہ ہے کہ سچ وجھوٹ میں اور سچے اور جھوٹے میں امتیاز مشکل ہو جائے گا، جس کی وجہ سے لوگ سچ کے بارے میں شک کرنے لگیں گے اور اس کو بھی جھوٹ سمجھ لیں گے۔ اور جھوٹے لوگوں کا امتیاز نہ ہو سکنے کی وجہ سے، ان پر اعتماد کر لیں گے اور ان کو دھوکے سے سچا خیال کر بیٹھیں گے اور سچے کو جھوٹا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جھوٹے لوگ ایسی چکنی چپڑی باتیں اور فریب اور دھوکہ بازی سے کام لیں گے کہ لوگ ان کو سچا سمجھیں گے اور ان پر اعتماد کر لیں گے اور جب ان پر اعتماد کر لیں گے، تو نتیجۃً سچوں کو جھوٹا اور ناقابلِ اعتبار سمجھیں گے۔

اس حالت کا بھی بچشم خود ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے کہ میڈیا کے ذریعہ اس قدر جھوٹ پھیلایا جا رہا ہے کہ انسان سچ کو جھوٹ سمجھنے لگتا ہے اور جھوٹ کو سچ۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج سچ اور جھوٹ میں امتیاز مشکل ہو گیا ہے اور جھوٹے اور مکار لوگ مختلف ذرائع اور تدابیر سے اپنے جھوٹ کی نشر واشاعت میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور اس کو سچ ماننے کی ترغیب ودعوت دیتے رہتے ہیں۔

(۳)''خیانت کرنے والے کو امانت دار اور امانت دار کو بد دیانت سمجھا جائے'' اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ جھوٹ اور مکر وفریب اس قدر بڑھ جائے گا کہ امانت دار کون ہے اور بد دیانت کون ہے؟ اس میں امتیاز مشکل ہو جائے گا اور لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے اور امانت دار کو بھی شک کی وجہ سے بد دیانت سمجھ لیں گے، اور بد دیانت کو، اس کی دھوکے اور چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر امانت دار سمجھ لیں گے، یہ صورتِ حال بھی آج معاشرے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(بقیہ صفحہ: ۱۳ر پر)

نظافت

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: ''اَلنَّظَافَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ'' (رواہ الترمذی) یعنی پاکی اور صفائی ستھرائی ایمان کا حصہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پراگندہ بال شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَا کَانَ یَجِدُ ھٰذا مَا یَسْکُنُ بِہٖ رَاسَہٗ'' (رواہ احمد) (کیا اس شخص کو کوئی ایسی چیز (یعنی کنگھی وغیرہ) میسر نہیں ہے جس کے ذریعہ یہ اپنے بالوں کو درست کر سکے؟) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے بدن پر میلے کچیلے کپڑے تھے تو فرمایا: ''مَا کَانَ یَجِدُ ھٰذا مَا یَغْسِلُ بِہٖ ثَوبَہٗ'' (رواہ احمد) (کیا اس شخص کو وہ چیز (یعنی صابون یا پانی وغیرہ) میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھوڈالے۔) معلوم ہوا کہ جسم کی درستگی ونفاست اور لباس کی صفائی وستھرائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ تھی اور اس کا برعکس ناپسندیدہ ومکروہ، کیوں یہ چیزیں تہذیب وشائستگی کی علامت بھی ہیں اور اسلام کی روح اور پاکیزگی کے عین مطابق بھی۔ درحقیقت اسلام معاشرتی طور پر انسان کو بلند اخلاق وکردار کا مالک بنانا چاہتا ہے، عزت نفس کا بھرپور خیال رکھتا ہے، ہر ایسے عمل کی تاکید کرتا ہے جو اسے معاشرے میں عزت عطا کرے اور ہر ایسے عمل سے منع کرتا ہے جو اسے رسوا کردے۔

جسم ولباس کی پاکی وصفائی ان اعمال میں سے ہے، جو انسان کی فطرت اور جبلت کی چغلی کرتے ہیں، مناسب اور پاک وصاف لباس جہاں اچھے واعلی کردار کی غمازی کرتے ہیں، وہیں گندہ جسم، بکھرے بال اور بدبودار لباس کجی فطرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ تکلف وتصنع سے اور دکھاوا اور ریاکاری سے بچتے ہوئے، میسر لباسوں میں سے مناسب لباس پہنے، جسم کی صفائی وستھرائی کا بھرپور خیال رکھے۔ بال اگر بڑے ہوں تو ان میں تیل اور کنگھی کرے، ہاتھ پیر کے ناخونوں اور جسم کے زائد بالوں کو بڑھنے نہ دے اور اچھی ہیئت میں رہے۔ مجنوؤں اور دیوانوں کی طرح نہ بنا رہے اور نہ ہی آوارہ لوگوں کی شکل اختیار کرے۔

ہاں عورتوں کی طرح بننا، سنورنا، تصنع اور بناوٹ اختیار کرنا ناپسندیدہ ہے، اسلام سادگی کی تعلیم دیتا ہے اور تکلف وتصنع سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہی مفہوم ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا: ''من ترک لبس ثوب جمال وھو یقدر علیہ کساہ اللہ حلّۃَ الکرامۃ'' یعنی جو شخص زیب وزینت کے لباس کو پہننا چھوڑ دے

،باوجودے کہ وہ اس کے پہننے کی استطاعت وحیثیت رکھتا ہو۔اس کو اللہ تعالیٰ عزت وعظمت کا جوڑا پہنائے گا۔

یاد رہے اس حدیث شریف کا مقصد گندے بنے رہنا اور نہانے دھلنے سے دور رہنا نہیں ہے، بلکہ تکلف اور بناوٹ اور غیر شرعی زیب وزینت اختیار کرنے سے احتراز کرنا ہے۔اسلام فقط جسم ولباس ہی کی صفائی وستھرائی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ ہر چیز میں سلیقہ مندی،تہذیب وشائستگی کو پسند کرتا ہے،وہ گھر اور صحن کی صفائی وستھرائی کی بھی تلقین کرتا ہے۔جیسا کہ حضرت ابن المسیب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ یُحِبُّ الطَّیِّبَ نَظِیْفٌ یُحِبُّ النَّظَافَۃَ کَرِیْمٌ یُحِبُّ الکَرَمَ جَوَادٌ یُحِبُّ الجُوْدَ فَنَظِّفُوْا اَفْنِیَتَکُمْ وَلَا تَشَبَّھُوْا بِالْیَھُوْدِ۔(رواہ الترمذی) اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نہایت ستھرا ہے ستھرائی کو پسند کرتا ہے،اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے کرم کو پسند کرتا ہے،اللہ تعالیٰ نہایت سخی اور عطا کرنے والا ہے،سخاوت وعطا کو پسند کرتا ہے۔لہٰذا تم صاف ستھرا رکھو اپنے صحنوں کو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو(جو اپنے گھروں کے صحن وآنگن کو کوڑے وکرکٹ سے ناپاک وگندہ رکھتے ہیں۔)

اس فرمان میں گھر،گھر کے صحن اور آنگن وغیرہ کو صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور صفائی ستھرائی نہ رکھنے پر تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ یہود کی مشابہت سے بچو،اس لیے کہ وہ اپنے گھر اور صحن وغیرہ کو صاف نہیں رکھتے۔

افسوس آج کوڑوں کے ڈھیر،نالیاں کھلی ہوئی،ہر طرف سے بدبودار ہوا،مسلم محلے کی علامت بن گئی ہے،جبکہ غیر ان تعلیمات کو اختیار کرکے مہذب ہوگئے۔کاش مسلمان اپنے دین کو سیکھتا اور اس کی اعلیٰ تعلیمات پر عمل کرکے وہی عظمت وبلندی کا مرتبہ حاصل کرتا،جو متقدمین نے اسلام پر عمل کرکے حاصل کیا تھا۔

****

(صفحہ:۱۱ر کا بقیہ)

(۴)''حقیر اور کمینہ آدمی،لوگوں کے امور عامہ کے بارے میں بات کرے گا''اس میں اشارہ ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کے معاشرتی اور ملی امور،جاہلوں،فاسقوں وفاجروں،نکموں،کمینوں،اور چوروں وڈاکوؤں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے اور وہ اپنے دنیاوی مقاصد کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں گے،جس سے ملت اور معاشرہ دونوں تباہ ہوجائیں گے۔انھیں نہ دین کی پرواہ ہوگی اور نہ اپنی قوم کے مفاد کی،وہ ہوں گے تو قوم کے ترجمان،لیکن بات صرف اپنے مفاد کی کریں گے۔

یہ بات بھی آج ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے کہ قوم جن لوگوں کو اپنا نمائندہ یا نیتا بناتی ہے،وہ کس قماش کے ہوتے ہیں،اور منتخب ہوکر جب وہ کسی ایوان میں جاتے ہیں تو کیا نمائندگی کرتے ہیں،اسی طرح دیکھیں کہ آج ملی اداروں پر کس طرح فساق وفجار اور جاہلوں نے قبضہ کررکھا ہے،اور ان اداروں سے ملت کا کیا فائدہ ہورہا ہے۔آپ کو حدیث شریف کا ایک ایک لفظ سمجھ میں آجائے۔

سنت حضرت خلیل علیہ السلام

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللہ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ماعمل ابن اٰدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدّم و انہ لیاتی یوم القیامۃ بقرونھا و اشعارھا و اظلافھا، و ان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبو ابھا نفساً (ترمذی و ابن ماجہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بقرہ عید کے دن انسان کے تمام نیک اعمال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب عمل قربانی کا ہے اور یہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگ، بال اور کھال کے ساتھ (صحیح سالم) آئے گی اور یقیناً (قربانی کا) خون زمین پر گرنے سے پہلے حق تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے، سو قربانی خوش دلی سے کیا کرو۔

یہ حدیث احکام قربانی پر مشتمل ہے۔ اُصولِ ثلاثہ تکوینیہ:

اُصولِ اول..... مسئلہ کی شرح سے پہلے ایک اصول سمجھ لیجیے اور یہ اصول جس طرح تکوینی ہے اسی طرح تشریعی بھی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا ذرہ ذرہ دو چیزوں سے ملا کر بنایا ہے۔ ایک روح ایک جسم۔ یعنی ہر چیز کی ایک صورت ہے، ایک اس کی حقیقت۔ ایک اس کی ہیئت اور ایک ماہیت۔ یا یوں کہیے کہ ایک اس کا ظاہری حصہ ہے اور ایک باطنی غرض تمام انسان، کل حیوانات، نباتات، جمادات کی جہاں ایک صورت ہے وہاں اس کی ایک حقیقت بھی ہے، ایک اس کا بدن اور ایک اس کی روح ہے۔ اور ہر بدن میں خدا تعالیٰ نے اس کے مناسب روح ڈالی ہے۔ جب حق تعالیٰ کی توجہ کائنات کی طاقتوں اور بدن بنانے کی طرف متوجہ ہوئی، تو یہی اصول مدنظر تھا۔

سب سے پہلے انسان ہی کو لیجیے کہ اوّل انسان کا بدن تیار کیا جاتا ہے جس کی ابتداء "نطفہ" یعنی ایک گندے قطرہ سے ہوئی ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔ ﴿**وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ، ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ، ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ**﴾ (سورہ مومنون، آیت: 14-12) یعنی ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی گندے قطرے) سے بنایا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی شان ہے اللہ کی، جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ تو روح ڈالنے سے پہلے ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے، جس کی تیاری میں زمین کی قوتیں بھی متوجہ ہوتی ہیں، آسمان کی بھی۔ آفتاب کی طاقتیں بھی متوجہ ہوتی ہیں اور ہواؤں کی بھی۔ غرض جب کائنات کی ساری قوتیں مل کر ڈھانچہ تیار کر لیتی ہیں تو پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔

یہی صورت سارے جمادات، نابات اور حیوانات کی ہے۔

دوسرا اصول: جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اس کائنات کی کوئی چیز باقی نہیں رہ سکتی جب تک بدن اور روح ملے ہوئے نہ ہوں۔ گویا بدن کی بقا روح پر موقوف ہے اور روح کی باقی بدن پر۔ اگر آپ نے بدن کو پھوڑ کر خستہ وخراب کر دیا یا وہ خود ہی قدرتی طور پر خراب ہو گیا اور اس میں سکت باقی نہ رہی تو پھر اس میں روح نہیں ٹھہرتی، بلکہ پرواز کر جاتی ہے، اس لیے کہ بدن ہی روح کو سنبھالے رکھتا ہے۔ غرض انسان میں جب تک روح ہے تو وہ انسان ہے، ورنہ لاشہ ہے جو بیکار ہے، پھر جس طرح مجموعہ بدن کے لیے مجموعہ روح ہے، اسی طرح بدن کے ہر ہر چیز کے لیے ایک روح ہے، جو اسی کے ساتھ رہ سکتی ہے، اگر اس جز کو ختم کر دیا جائے تو یہ روح بھی نہ رہے گی۔ یہ نہ ہوگا کہ اگر ایک جز کو ختم کر دیں تو اس کی روح کسی دوسرے جز میں پہنچ جائے۔ مثلاً آنکھ ہے، اس کی روح قوت بینائی ہے، اگر آنکھ پھوڑ دی جائے تو یہ نہیں ہوتا کہ دیکھنے کی قوت مثلاً ناک میں آ جائے، بلکہ یہ قوت ہی باقی نہیں رہتی، اسی طرح ناک ہے اس میں سونگھنے کی قوت ہے، وغیرہ۔ حاصل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس قدر قویٰ پیدا کیے ہیں ان میں روح اور قوت بھی ساتھ ساتھ پیدا کر دی ہے اور یہ دونوں مل کر کائنات کا حصہ بنتے ہیں۔ اگر دونوں کو الگ کر دیا جائے تو اسی حقیقت کو "موت" کہتے ہیں اور اس علیحدگی سے کائنات کی تمام اشیاء ختم ہو جاتی ہیں۔

ایک دوسرا اصول اور سمجھ لیجیے جو اسی سے متعلق ہے کہ بدن کے اندر جو قوتیں چھپی ہوئی ہیں ان کی پہچان ان ابدان ہی کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ مثلاً قوت بینائی کی شناخت آنکھ سے کی جاتی ہے اور قوتِ سماعت کی کان سے۔ غرض یہ صورتیں ان قوتوں کے تعارف کا ایک ذریعہ ہیں، اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو یہ تعارف ختم ہو جائے۔ اس اصول کا حاصل یہ ہوا کہ "بدن روح کی پہچان کا ذریعہ ہے۔"

تیسرا اُصول: اب تیسرا اصول اور سمجھ لیجیے کہ اگر آپ روح تک کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ بدن ہی کے ذریعے پہنچا سکتے ہیں۔ اس عالم میں براہِ راست روح کو متاثر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مثلاً اگر آپ روح پر گرمی کا عمل کرنا چاہیں تو بدن کو آگ کے سامنے لے جائیں گے، جب پہلے بدن گرم ہو جائے گا، اس کے بعد روح کو گرمی پہنچے گی اور اگر ٹھنڈک پہنچانا چاہیں تو آپ بدن پر پانی ڈالیں گے یا اس پر برف ملیں گے یا وضو کریں گے، وغیرہ، غرض ہر تاثیر کے لیے بدن ذریعہ ہے۔ بغیر بدن کے روح پر اثرات نہیں پہنچ سکتے۔

اصول ثلاثہ تشریعیہ۔ تو اب تین اصول معلوم ہوئے کہ بدن سے تین کام لیے جاتے ہیں؛ اول روح کے قرار وقیام کا۔ دوسرے روح کے تعارف اور پہچان کا اور تیسرے تاثر کا اور یہ تینوں باتیں اس قدر ظاہر ہیں کہ ان پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ تینوں اصول جس طرح تکوینی ہیں، اسی طرح تشریعی بھی ہیں، یعنی اعمال شرعیہ میں بھی ایک صورت ہے اور ایک روح اور بغیر صورت کے روح کا باقی رہنا ناممکن ہے، اسی طرح اگر روح تک کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ

صورت ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے، اس کی مثالوں سے شریعت بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر وضو کو لیجیے کہ اس کی ایک صورت ہے اور ایک روح۔ اس کی صورت تو وہ خاص ہیئت اور افعال ہیں جو انسان وضو کرنے کے وقت اختیار کرتا ہے۔ یعنی ایک خاص طرح بیٹھ کر اعضاء کا دھونا وغیرہ اور یہی ہیئت اس کے تعارف کا ذریعہ ہے۔ چناں چہ آپ وضو کر رہے ہوں تو ہر شخص آپ کو دیکھ کر پہچان لے گا کہ آپ وضو کر رہے ہیں۔ کھانا نہیں کھا رہے۔ کیوں کہ کھانا کھانے والے کی ہیئت اور ہے یہ تو اس کی صورت ہے اور ایک اس کی روح ہے۔ یعنی طہارت حاصل کرنا، تاکہ انسان دربارِ الٰہی میں حاضری کے قابل ہو سکے اور ایک اس کی تاثیر ہے، یعنی وہ خاص قسم کا انشراح جو انسان کے قلب میں وضو کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ طہارت اور انشراح بغیر وضو کی صورت اختیار کیے کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح غسل کی بھی ایک صورت ہے، یعنی تمام جسم کو دھونا اور ایک اس کی روح ہے یعنی طہارت اور صفائی اور اس کی تاثیر فرح وانبساط ہے اب اگر کوئی شخص تمام عمر غسل نہ کرے تو اس کو فرح وانبساط کی وہ خاص کیفیت کبھی بھی نصیب نہ ہوگی۔

الغرض ہر چیز کی روح حاصل کرنے کے لیے اس کی صورت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح آپ نماز کو لیجیے کہ اس کی صورت نیت باندھ کر کھڑا ہونا اور رکوع وسجود وغیرہ ادا کرنا، اور اس کی روح خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا اور اپنی عبدیت وبندگی کا اظہار کرنا ہے، اگر آپ نماز کی ہیئت اختیار نہ کریں تو بندگی کی یہ خاص صورت کبھی بھی حاصل نہ ہوگی۔ اس طرح زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ عبادات ہیں کہ ہر ایک کی ایک روح اور ایک صورت ہے۔

محبوبات نفس کی قربانی: تو یہ جو "قربانی" ہے، اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک روح۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے او راس کی حقیقت ایثار نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور تقرب الی اللہ ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ روح بغیر جانور ذبح کیے کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ ہر صورت میں اس کے مطابق روح ڈالی جاتی ہے۔ نماز میں نماز کی روح۔ زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی روح اور قربانی میں قربانی کی روح ڈال جاتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے اس کی جو صورت مقرر کر دی ہے۔ وہی اختیار کرنا پڑے گی۔ تب وہ روح اس میں ڈالی جائے گی۔ اگر وہ کسی چیز کی قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہوگی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ترجمہ: "یعنی تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کر سکو گے، یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے"۔

اور مال محبوب چیز ہے۔ مال میں سے بھی جانور زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ کیوں کہ جان دار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر کوئی بے جان چیز ضائع ہو جائے تو آدمی دوسری گھڑ کر بنا سکتا ہے، بخلاف جان دار کے کہ اگر فنا ہو گیا تو دوسرا نہیں ملتا اور یہ مال تو ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہنچاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہوا ہو تو وہ بیکار ہے، اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ اس کو خرچ نہ کرے۔ تو جب دنیوی منافع اس کو خرچ کیے بغیر نہیں مل سکتے تو "رضاء حق" جو اعلیٰ ترین نفع ہے وہ محبوبات قربان کیے بغیر کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اور محبوبات کیا ہیں؟ جان، مال، اولاد، عزت آبرو وغیرہ۔ چناں چہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

(سورہ توبہ، آیت:111) ترجمہ: "یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا۔"

غرض آپ کو ان میں سے ہر چیز لٹانی ہوگی۔ تب کہیں بندگی کا اظہار ہوگا۔ درحقیقت جنت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔ جیسے اگر سونا خریدا جائے تو اس کو کسوٹی پر گھسا کر دیکھا جاتا ہے، اگر کھرا ہے تو اس کی قیمت ادا کرتے ہیں، ورنہ نہیں۔ تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے، لکیروں کی نہیں، جو کسوٹی پر پڑ جاتی ہیں۔ بس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض ایمان کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور یہ ہمارے اعمال ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہیں۔ اس لیے جنت حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں "محبوباتِ نفس" کو قربان کرنا لازمی ہے۔ اگر مال خرچ کرنے کا حکم ہو تو مال خرچ کرو۔ جان دینے کا حکم ہو تو جان نثار کرو۔ عزت کی ضرورت ہو تو وہ بھی قربان کرو۔ یہی عشق کی پختگی کی علامت ہے۔ا

یک صحابیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ..... یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ کر کہو، کیا کہتے ہو؟ انہوں نے پھر یہی عرض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا کہ سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟ انہوں نے تیسری بار بھی یہی عرض یا کہ مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر مصیبتیں جھیلنے کو، فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے کو اور آفتیں جھیلنے کو تیار ہو جاؤ اور ظاہر بات ہے کہ عاشق اپنی محبت کا ثبوت اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک مصیبتیں نہ جھیلے۔

اسی لیے ارشاد ہے: ﴿الم، أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ (سورہ العنکبوت، آیت: 3-1) ترجمہ: "یعنی کیا لوگوں کا خیال ہے کہ محض "آمَنَّا" کہنے سے ان کا چھٹکارا ہو جائے گا۔ اور ان کی آزمائش نہ ہوگی، حالاں کہ ہم نے آزمایا ان سے پہلے لوگوں کو، پس ضرور معلوم کرلے گا اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو اور ضرور معلوم کرلے گا جھوٹوں کو"۔

روحِ قربانی اور شبہ کا جواب: الغرض اصل بیان یہ تھا کہ جس طرح اعمال کی روح ضروری ہے، اسی طرح ان کی صورت بھی مطلوب ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں صورت اصل ہے اور روح اس کے تابع اور آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا، روح اصل ہوگی اور صورت تابع۔ تو اب یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا میں جس طرح ہر چیز کی روح کی بقا کے لیے صورت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اعمالِ شرعیہ کی روح کی بقا کے لیے ان کے جسم و صورت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اعمال میں تو اصل روح ہے۔ اس لیے روح کو لے لو اور صورت کو چھوڑ دو۔ تو اس کو چاہیے کہ یہ عمل پہلے اپنے اوپر جاری کرے کہ اپنے بدن کو ختم کردے اور خودکشی کرے کہ بس میں تو روح کو باقی رکھوں گا۔ لیکن اگر خود بغیر صورت کے نہیں رہ سکتے تو پھر آخر اعمال شرعیہ میں یہ عمل جراحی کیوں کیا جاتا ہے؟

جیسا کہ شروع میں معلوم ہو چکا کہ کائنات میں جس طرح مجموعۂ بدن کے لیے مجموعۂ روح ہے۔ اسی طرح ہر ہر جز

کی علیحدہ علیحدہ روح بھی ہے۔ جیسے آنکھ میں بینائی کی قوت اس کی روح ہے۔ وغیرہ اسی طرح سارے اعمال شرعیہ کی ایک روح ہے اور پھر ہر ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ بھی روح ہے اور اس روح کا نام "تقویٰ" ہے۔

چناں چہ قربانی کے متعلق ارشاد ہے: ﴿لَن يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾ ترجمہ: "یعنی خدا تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔" تو قربانی کی روح بھی تقویٰ ہے۔ سو اگر کوئی یہ کہے کہ جب قربانی سے تقویٰ مقصود ہے، تو قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ تقویٰ اختیار کرلو۔ کافی ہوجائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر سارے اسلام کو چھوڑ کر بس تقویٰ ہی اختیار کرلو۔ کیوں کہ روزہ کے متعلق ارشاد ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورہ بقرہ) ترجمہ: "تم پر روزوں کا حکم ہوا جیسے تم سے اگلے لوگوں پر حکم ہوا تھا۔ شاید کہ تم پرہیزگار ہوجاؤ"۔ تو روزہ کا حاصل بھی تقویٰ ہی ہے۔ نماز کے متعلق ارشاد باری ہے کہ: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾ (سورہ عنکبوت) ترجمہ: "نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ جس کا حاصل تقویٰ ہے۔ لہٰذا نماز اور روزہ بھی چھوڑ دیئے۔

پھر ارشاد ہے کہ: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ (سورہ بقرہ: 177) ترجمہ: "مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرلینا نیکی نہیں، ہاں نیکی یہ ہے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن اور ملائکہ اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اس کی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔ اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جو لوگ اپنے عہد پورے کریں اور تنگی و سختی میں صبر کرنے والے۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی متقی ہیں"۔

لیجیے سارے اسلام کا حاصل تقویٰ نکلا۔ اس لیے سب کو چھوڑ کر بس تقویٰ اختیار کرلیجیے، لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ جس طرح ہر ہر جز کی روح علیحدہ ہے۔ اسی طرح ہر عبادت کا تقویٰ جداگانہ ہے۔ تو جو تقویٰ گوشت پوست کے ذریعہ پہنچتا ہے اور حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسری عبادت، صدقہ وغیرہ سے کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟! مثلاً زید کی روح کو گدھے کے قالب میں اگر منتقل کردیا جائے۔ تب بھی وہ زید نہ بنے گا۔ بلکہ گدھا ہی رہے گا۔ اس طرح صدقہ صدقہ ہی رہے گا۔ قربانی کا قائم مقام اسے کیسے کہا جاسکتا ہے؟! تو دنیا میں چوں کہ بغیر صورت کے چارہ نہیں۔ اس لیے قربانی کرنی ہی پڑے گی۔ ہاں! آخرت میں پہنچ کر آپ قربانی نہ کریں، کیوں کہ وہاں صورت ضروری نہیں۔ لیکن اگر آپ نے دنیا میں اعمال کی صورت کو ترک کردیا تو یقین رکھیے کہ آپ نے اس کی روح کو بھی فنا کردیا۔ اسی لیے نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے: "الایمان سر، والاسلام علانیة" ایمان پوشیدہ چیز ہے اور اسلام ظاہر۔ اور چوں کہ قربانی کا قائم مقام صدقہ یا کوئی

عبادت نہیں ہوسکتی۔اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"ما عمل ابن اٰدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم" ترجمہ:"بقرعید کے روز سب سے زیادہ محبوب عمل قربانی ہی ہے"۔تو اس روز سوائے اس عمل کے دوسرا عمل کیسے اس کا قائم مقام ہوسکتا ہے؟ اور حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:"یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی؟" یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"سنۃ ابیکم ابراھیم" تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہؓ نے استفسار کیا کہ:"فمالنا فیھا یا رسول اللہ" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)!اس میں ہمارا کیا نفع ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"بکل شعرۃ حسنۃ" قربانی کے ہر بال پر ایک نیکی ملے گی۔تو یہ اجر وثواب صدقہ وغیرہ پر کیسے مرتب ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ صدقہ میں بال کہاں ہیں؟ تو بات دراصل وہی ہے کہ ہر صورت میں اس کے مطابق روح ڈالی جاتی ہے۔

قربانی کی حقیقت:اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا۔مگر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھیے ان کو یہ گوارا نہ ہوا۔اس لیے حکم دیا تم جانور ذبح کردو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے خود اپنے آپ کو قربان کردیا۔چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خواب کے ذریعے بشارت دی گئی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔اب دیکھیے کہ یہ حکم اول تو اولاد کے بارہ میں دیا گیا اور اولاد بھی کیسی؟ فرزند اور فرزند بھی ناخلف نہیں، بلکہ نبی معصوم،ایسے بچے کو قربان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا آسان ہے،مگر اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کو ذبح کرنا بڑا سخت مشکل کام ہے،مگر حکم خداوندی تھا۔اس لیے آپ نے اپنے بیٹے کی محبت کو پس پشت ڈالا۔اور حکم خداوندی کے سامنے سر جھکا دیا۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر منیٰ کے منحر میں تشریف لائے اور فرمایا بیٹا! مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کردوں.....تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فوراً فرمایا:﴿اِفْعَلْ مَاتُؤْمَرُ﴾ جو آپ کو حکم ہوا ہے ضرور کیجیے۔اگر میری جان کی ان کو ضرورت ہے تو ایک جان کیا؟ اگر ہزار جانیں بھی ہوں تو نثار ہیں۔چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے،چھری تیز کی۔اب بیٹا خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہورہا ہوں۔ادھر باپ خوش ہے کہ میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کررہا ہوں۔چناں چہ حکم خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی،تو چھری کند ہوگئی اور اس وقت حکم ہوا:﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَآ ج اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾"بے شک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا،ہم نیکوں کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں"۔اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض،ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں۔چناں چہ اسی دن سے گائے،مینڈھا یا بکری وغیرہ قربانی کے لیے فدیہ مقرر ہوگیا۔

قربانی اور صدقہ میں فرق:اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ذبح کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے،چناں چہ اس سے

انسان میں جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ اس کی روح ہے، تو یہ روح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی؟ کیوں کہ قربانی کی روح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی روح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن متعین نہیں۔ مگر اس کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور عیدالاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا۔

جہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ سلفاً خلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی اور امت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ آئمہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف کے یہاں قربانی سنت ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ یہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور ائمہ کے دقائق ہیں۔ مگر قربانی کی مشروعیت میں سب متفق ہیں اور اگر یہ کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اس کی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جائیں؟ چناں چہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی: "**ان نستشرف العین و الاذن، و ان لانضحی بمقابلة و لامدابرة و لا شرقاء و لا خرقآء**" ترجمہ: "ہم قربانی کی آنکھ اور کان کو خوب دیکھ بھال لیا کریں، ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو اور نہ جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور نہ جس کا کان چرا ہوا ہو اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو"۔ اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جدا ہیں۔ اس لیے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ پھر ساری امت آج تک بلا اختلاف اس عمل کو کرتی چلی آرہی ہے اور تعامل امت سب سے بڑی دلیل ہے۔

متعلقات قربانی کی وضاحت: اس جگہ یہ اشکال کہ قربانی کرنے سے جانور ختم ہو جائیں گے۔ لوگوں کا یہ خیال ہی غلط ہے، کیوں کہ روزانہ جو لاکھوں جانور بطور ذبیحہ کے کاٹے جاتے ہیں عید کے دن وہ ذبح نہیں ہوتے، اس طرح کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہے، جو کسی طرح بھی قابل اعتنا نہیں۔ پھر اس روز بعض ایسے لوگوں کو بھی گوشت پہنچ جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ دفعہ ہی کھا سکتے ہیں۔ پھر اُن کی ساری کھالیں غربا، ومساکین میں تقسیم ہوتی ہیں۔ غرض بہت سے منافع اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جو روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے، اس کو مہاجرین وغیرہ کی امداد میں صرف کیا جائے۔ تو بے شک مہاجرین کی امداد ضروری ہے، مگر ہر کام کے لیے اسلام کے گلے پر چھری کیوں چلتی ہے؟ کچھ اپنی خواہشات نفس پر بھی تو چھری چلایئے اور غیر شرعی اخراجات کو بند کر کے مہاجرین کی امداد کیجیے۔ مثلاً سینما ہے، شراب ہے اور دوسرے فضول اخراجات ہیں۔

حاصل یہ کہ اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز میں ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ اسی طرح اعمال شرعیہ میں بھی ایک روح ہے۔ اور جیسے وہاں ہر صورت کی ایک خاص روح ہے جو دوسری صورت میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح یہاں بھی ایک روح دوسرے میں نہیں آسکتی۔

سواب سمجھیے کہ سارے اعمالِ شرعیہ کا مقصود تقویٰ ہے۔ مثلاً نماز سے عاجزی وانکساری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ روزے میں تزکیہ نفس کی صورت میں، جہاد میں شجاعت کی صورت میں، صدقہ میں انفاق مال کی صورت میں اور قربانی سے جان نثاری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے، اب اگر آپ نے قربانی کے بجائے نماز پڑھ لی، تو نماز سے عاجزی اور بندگی کا تقویٰ تو ملا، مگر قربانی (کی صورت میں حاصل ہونے والا تقویٰ) کا نہ ملا، پس اگر کوئی شخص قربانی نہ کرے اور صدقہ دے دے تو قیامت کے دن اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا، مگر قربانی کا مطالبہ باقی رہے گا۔ اور یہ سوال ہوگا کہ قربانی کیوں نہیں کی؟ بالکل اسی طرح جیسے کوئی نماز تو پڑھتا رہا اور روزہ نہ رکھا تو روزہ کا مطالبہ ہوگا کہ کیوں نہ رکھا تھا؟ اس کی ایک مثال سے سمجھ لیجیے کہ آپ نے ایک نوکر رکھا، جس کے سپرد آپ نے کھانا پکانے اور کھانا کھلانے کی خدمت سونپی۔ اب اس نوکر نے یہ کیا کہ کھانا تو پکایا نہیں مگر گھر کو صاف کر کے آئینہ بنا دیا۔ ہر چیز قرینے سے رکھ دی، جھاڑو بھی دی، فرش بھی دھویا، جالے بھی صاف کیے۔ اب جب آپ گھر پہنچے اور دیکھا کہ ملازم نے گھر کو بہت صاف ستھرا کر رکھا ہے تو یقیناً آپ خوش ہوں گے، مگر جب کھانے کے وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے کھانا نہیں پکایا، تو یقیناً آپ اس سے باز پرس کریں گے کہ تو نے کھانا کیوں نہیں پکایا؟ تو کیا وہ ملازم جواب دے سکتا ہے کہ صاحب! میں نے گھر تو صاف کر دیا۔ اب کھانے کا مطالبہ کیسا؟ ظاہر ہے کہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ یہاں جو کام تیرے سپرد کیا تھا وہ تو تو نے کیا نہیں اور ایک ایسا کام کیا جو فی الجملہ اگرچہ اچھا ہے، مگر تیرے سپرد نہ تھا۔ اس لیے تجھ کو یہ کام کھانا کھلانے کے بعد کرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح صدقہ وخیرات تو عبادت نافلہ ہیں اور قربانی واجب ہے۔ تو صدقہ دینے سے اس کا مطالبہ باقی رہے گا۔

حاصل یہ کہ آپ جو صورت اختیار کریں گے، اسی کی روح اس میں ڈالی جائے گی۔ جیسے انسان کی صورت میں انسان کی روح۔ اور حیوان کی صورت میں حیوان کی۔ پھر قربانی کی روح صدقہ میں کیوں کر آسکتی ہے؟ اس لیے کہ قیامت میں ہر ایک عمل کی مختلف صورتیں ہوں گی۔ مثلاً جو شخص مسجد بناتا ہے اس کو جنت میں مکان ملتا ہے۔ روزہ دار کے لیے قیامت کے دن دسترخوان بچھایا جائے گا۔ اسی طرح قربانی کے متعلق ارشاد ہے کہ: "**انه لیاتی یوم القیامة بقرونها و اشعارها و اظلافها**" ترجمہ: "قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھالوں کے ساتھ موجود ہوگا۔" اس جگہ ان اجزاء کا ذکر ہے جن کو ہم بے کار سمجھ کر پھینک دیتے ہیں۔ یعنی اس کے ردی اجزاء پر بھی ثواب دیا جائے گا۔ تو جو اصلی چیز یعنی گوشت ہے، اس پر کیوں ثواب نہ ملے؟ پھر آگے ارشاد ہے: "**ان الدم لیقع من الله بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبو ابها نفسا**" ترجمہ: "قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل وہ خدا تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ تم اس عمل کو کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرو"۔ تو یہ مقبولیت کا درجہ بھی قربانی کے ساتھ خاص ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع: ایک عالمی منشور

مولانا عبدالصبور شاکر

خطبۂ حجۃ الوداع دنیا بھر کے خطبوں میں الگ شان رکھتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک خطبے میں اسلام کا پورا منشور بیان فرما دیا ہے۔ یہ خطبہ عرفات کے میدان میں اس وقت دیا گیا جب ایک لاکھ سے زائد جانثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! میں جو کچھ کہوں اسے غور سے سنو، شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔'' پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درج ذیل آٹھ عنوانات پر بات فرمائی: ۱: حقیقی روشن خیالی۔ ۲: انسانی جان کی حرمت۔ ۳: ادائے امانت۔ ۴: سود کی حرمت۔ ۵: قتل و قتال کی ممانعت۔ ۶: عمل صالح۔ ۷: حقوقِ زوجین کا تحفظ۔ ۸: گمراہی سے حفاظت۔

دورِ حاضر میں روشن خیالی کا بڑا چرچا ہے۔ مسلمانوں کو رجعت پسند اور بنیاد پرست ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس روشن خیالی کا درس آج سے چودہ سو برس قبل دیا تھا، اس کے مطابق دورِ حاضر کی روشن خیالی، جہالت کا دوسرا نام ہے، مثلاً آج کی روشن خیالی کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو اس کی عمر تقریباً سوا دو سو سال ہے۔ اس کی ابتدا انقلابِ فرانس سے ہوئی، جب یورپ نے اپنی تمام فرسودہ باتوں سے جان چھڑالی اور اپنی روایات، اپنی تہذیب حتیٰ کہ اپنے مذہب تک سے پیچھا چھڑالیا، انسانی خواہشات کو اپنا حکمران بنالیا اور درج ذیل کام کیے:

☆ مذہب ہر انسان کا ذاتی معاملہ ٹھہرا۔ ☆ قتلِ عام کو دہشت پسندی کے خلاف جنگ کا نام دے کر امن کے بخیے اُدھیڑ دیئے گئے۔ ☆ گھر کی ملکہ عورت کو، پاکیزگی کی دہلیز سے کھینچ کر، کلبوں کے میدان میں کھڑا کر دیا گیا اور اسے حقوقِ نسواں کا حسین عنوان دیا گیا، نیز اسے پیسہ کمانے کی مشین بنا دیا۔ ☆ عریانی وفحاشی کا نام کلچر رکھ دیا گیا۔ ☆ سود کو منافع اور پرافٹ کا نام دے کر بینکوں کا کاروبار بڑھایا گیا، نیز سرمایہ دارانہ نظام کو ورلڈ آرڈر کا نام دے کر دنیا پر ٹھونسنے کی کوشش کی گئی۔ ☆ انسانی اخلاق کی قدر و قیمت گرادی گئی اور ہر مسئلے کا حل روپیہ کمانا ٹھہرا۔ ☆ خیانت اور دھوکے بازی کو سیاست کی پیکنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ تھا مغرب کی روشن خیالی کا تصور، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ان تمام اقدار کو اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں نے جاہلیت کی تمام روایات اپنے قدموں تلے روند دی ہیں۔'' اس ایک جملے میں آپ نے شرک، زنا، جوا، سود، بے حیائی، قتل، حق تلفی، تمام جاہلی معاملات کو یکسر ختم فرما دیا۔

مسلمانوں کے ہاں روشن خیالی، ربِ ذوالجلال کے حکم کے سامنے اپنی خواہشات کو دبا دینے کا نام ہے، جبکہ اہلِ مغرب کے نزدیک معاشرے میں جنم لینے والے منتشر خیالات روشن خیالی ہیں، چنانچہ وہ ایسی اشیاء کو قانون کا حصہ بنا لیتے ہیں، اگرچہ اخلاقی اعتبار سے کتنی ہی گری ہوئی ہوں، جیسے ہم جنس پرستی کے جواز کا قانون، وغیرہ۔ دوسری چیز جسے اہلِ مغرب

اپنے لیے فخر کی چیز سمجھتے ہیں وہ ہے دہشت گردی کے خلاف قتلِ عام، جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بھی لائحہ عمل تجویز فرمادیا۔ فرمایا: ''اے لوگو! تم پر ایک دوسرے کی جان و مال تا قیامت حرام ہیں، جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ ذوالحجہ میں ایک دوسرے کی بے حرمتی نہیں کرتے۔'' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے مذاہب کے افراد، خواتین، بچے، بوڑھے حتیٰ کہ زمینوں اور فصلوں تک کے حقوق متعین فرمادیئے اور انہیں بلاضرورت کاٹنے، اور جلانے سے منع فرمادیا۔ فتح مکہ کے عظیم موقع پر اپنے جانی دشمنوں کو ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ'' (آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا) کی خوشخبریوں سے نواز دیا، حتیٰ کہ اپنے دشمن امیہ بن خلف کے بیٹے ربیعہ کو اسی خطبۂ حجۃ الوداع کا مُکبّر بنادیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ بلند آواز سے لوگوں تک انہی ربیعہؓ نے پہنچایا۔

جبکہ تصویر کے دوسرے رخ کا جائزہ لیں تو دنیا کے بڑے بڑے انقلابات میں کروڑوں انسان ''امن'' کی بھینٹ چڑھ گئے۔ انقلابِ فرانس میں لاکھوں انسان قتل ہوئے، پہلی جنگ عظیم میں کم از کم ایک کروڑ انسان قتل ہوئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب میں طرفین کے صرف ایک ہزار اٹھارہ (۱۰۱۸) آدمی موت کی نیند سوئے۔ پھر یہ انقلاب ایسا پُراثر تھا کہ اس کی گونج آج بھی پوری قوت سے اطرافِ عالم میں سنائی دے رہی ہے۔

تیسری چیز جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی وہ ادائے امانت ہے۔ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت جمع ہو اس کے مالک کو لوٹادی جائے۔'' نیز فرمایا: ''اے لوگو! میری بات گوشِ ہوش سے سنو! دیکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس رشتہ کی وجہ سے کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی کی کسی شے پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف روا نہیں ہے، ورنہ یہ ایک دوسرے پر ظلم ہوجائے گا۔''

چوتھی چیز سود ہے جس کے خاتمے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں یہ حکم فرمایا: ''آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے راس المال کے سوا۔ نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو، نہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ہی سود کو ممنوع فرمادیا ہے۔ (میرے چچا حضرت) عباسؓ کا جو سود دوسروں کے ذمہ واجب الادا ہے، اسے موقوف کیا جاتا ہے۔'' انگریزی کے مشہور مقولے ''Charity begins at the home'' کے تحت سود کے خاتمے کی ابتدا، اپنے گھر سے کی اور پھر اسلام میں سود کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

پانچویں چیز جس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا، وہ قتل وقتال کی حرمت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر سے اس کی ابتدا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جاہلیت کے مقتولین کا قصاص و دیت دونوں کالعدم قرار دی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے میں ہی بنو ہاشم کے (ایک بچے) ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا بدلہ اور دیت معاف کرتا ہوں۔'' نیز یہ بھی فرمایا: ''اے لوگو! تم پر ایک دوسرے کی جان اور اسی طرح مال ہر ایک قیامت تک حرام ہے، جیسا کہ آج کے دن اور اس مہینہ میں تم کسی قسم کی بے حرمتی نہیں کرسکتے۔''

چھٹی چیز جس کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں فرمایا، اخلاقِ حسنہ، تقویٰ اور اعمالِ صالح ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع دیتے ہوئے اس بات کی طرف نشاندہی فرمائی کہ: ''غور سے سنیے! اب عرب میں شیطان کی پرستش نہ کی جائے گی، لیکن اس کی پرستاری کی بجائے اگر شیطان کی صرف اطاعت ہی کی گئی تب بھی وہ بہت خوش ہوگا، اس لیے دینی امور میں شیطانی وساوس کو اپنے قریب نہ آنے دو۔'' نیز فرمایا: ''اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت نہیں ہے، کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت نہیں ہے، ہاں! البتہ تقویٰ کی بنیاد پر (ان کو ایک دوسرے پر فضیلت ہوسکتی ہے)۔'' اسلام کے اسی سنہری اصول کی وجہ سے حبشی بلالؓ کو، سیدنا بلالؓ کہہ کر پکارا گیا اور عطاء بن ابی رباحؒ جیسے سادہ شکل والے کے سامنے امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک بھی زانوئے تلمذ تہہ کرنا فخر سمجھتے تھے۔ ایک عجمی النسل محمد بن اسماعیل بخاریؒ کو امیر المومنین فی الحدیث کہا گیا اور ایک فارسی النسل امام غزالیؒ کے فلسفے کی دھوم چہار دانگ عالم میں ہے اور ایک غیر عرب نعمان بن ثابتؒ امام اعظم کہلاتا ہے، جبکہ ایک عربی النسل ہاشمی خانوادے کے فرزند ابولہب، اپنے زمانے کے ابوالحکم، عمرو بن ہشام (ابوجہل) کو انہی کی کیٹگری کے لوگ بھی اچھے الفاظ میں یاد کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔

ساتویں چیز جس کا ذکر اپنے خطبہ میں فرمایا، وہ خاندانی نظام کا تحفظ ہے۔ مغرب اپنے حقوقِ نسواں کے نعرے پر بہت زور دیتا ہے۔ مغرب کا دعویٰ ہے کہ ہم نے عورت کو وہ حقوق دیئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نے بھی اسے عطا نہیں کیے، لیکن غور کیا جائے تو مغرب نے عورت کو بجائے حقوق دینے کے اسے انہی خطوط پر چلانے کی سعی کی ہے جنہیں اسلام نے چودہ سو سال قبل جہالت کہہ کر پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔ ذرا غور فرمائیں! مغرب، عورت کو گھر کی دہلیز سے کھینچ کر سرِ بازار لے آیا ہے، مغربی مفکرین نے عورت کو مرد کے ہم پلہ قرار دیا، نتیجۃً مغرب نے عورت سے اس پر دوگنا بوجھ لاد دیا ہے۔ ایک تو وہ بوجھ ہے جو اس پر فطرتاً مسلط ہے، یعنی گھریلو امور کی نگرانی، بچے جننا، اور ان کی پرورش کرنا، وغیرہ، یہ کام مرد نہیں کرسکتا اور دوسرا بوجھ کمائی کرنا، نوکریاں کرنا، ڈیوٹیاں سرانجام دینا، وغیرہ، جبکہ اسلام نے دونوں فریقوں کے حقوق متعین کردیئے۔

اسلام نے مرد و عورت کو گاڑی کے دو پہیے قرار دیا، جس کی وجہ سے زندگی کی گاڑی کا چلنا نہایت آسان ہوگیا، جبکہ مغرب نے برابر کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹ کر دونوں پہیے گاڑی کی ایک ہی سمت میں لگا دیئے، چنانچہ ان کا گھریلو نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگیا، جس کا اقرار اب خود مغربی مفکرین بھی کررہے ہیں۔ عورت، جسے یونانیوں نے سانپ، سقراط نے فتنہ، قدیس جرنا نے شیطانی آلہ اور یوحنا نے شر کی بیٹی اور امن وسلامتی کی دشمن لکھا، جب گھر سے باہر نکلی تو اپنی حشر سامانیوں سمیت نکلی، مردوں کے سفلی جذبات کی تسکین ہوئی اور بے حیائی نے جڑ پکڑ لی، جب کہ اسلام نے اسی عورت کے قدموں تلے جنت بتلائی اور ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے حقوق وضع کرکے اس کی باقاعدہ حیثیت متعین کردی۔

خاندانی نظام کے تحفظ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا: ''میاں بیوی ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ ہیں، نیز کسی عورت کے لیے غیر مرد کو اپنے قریب کرنے کا حق نہیں، ورنہ شوہر کے تن بدن میں

آگ لگ جائے گی۔'' اور یہ کہ ''عورتوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے مطلقاً کنارہ کش رہنا چاہیے، اگر ان سے یہ قصور ہو جائے تو ان کے شوہر انہیں بدنی سزا دے سکتے ہیں، مگر وہ سزا ضربِ شدید کی حد کے قریب نہ پہنچ جائے، (یعنی بدن پر داغ نہیں پڑنا چاہیے)۔ اگر عورتیں ایسا لاابالی پن چھوڑ دیں تو دستورِ عام کے مطابق ان کے خورد ونوش اور ان کے لباس کا پورا لحاظ رکھو اور ان کے معاملہ میں حسنِ سلوک سے ہاتھ نہ کھینچو، وہ تمہارے نکاح میں آجانے سے تمہاری پابند ہو جاتی ہیں اور (ان معنوں میں) اپنے نفس کی مالک نہیں رہتیں، لیکن تم بھی خیال رکھو کہ آخر کلمہ ایجاب وقبول کے ساتھ ہی تو تم نے اللہ کی اس امانت کو اپنی تحویل میں لیا ہے اور انہی کلمات کے ساتھ انہیں خود پر حلال کیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ کے آخر میں اپنی اُمت کو گمراہ ہونے سے بچانے کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا:
''اے لوگو! غور سے سنو! جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اس کی وضاحت کے لیے جو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے تو کبھی ٹھوکر نہ کھاؤ گے۔ وہ چیز بجائے خود نہایت واضح ہے اور وہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے۔'' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسی چیز ہے جس پر عمل کر کے کوئی بھی فتنوں وشرور سے بچ سکتا ہے اور راہِ جنت کا راہی بن سکتا ہے۔ سب سے آخر میں ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔'' اور ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں: ''اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد'' (یا اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض ادا فرما دیا)۔ اب ہمارے لیے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اس پر کتنے عمل پیرا ہوتے ہیں؟

****

(صفحہ: ۳۰ کا بقیہ)

جب حج کو اس کی حقیقی روح، مطلوبہ کیفیات اور مقاصد کے ساتھ، گناہوں سے بچتے ہوئے اور خالص توبہ کرتے ہوئے ادا کیا جائے، تو یقیناً ان شاء اللہ! سابقہ گناہ بھی معاف ہو جائیں گے اور آئندہ زندگی بدل جائے گی۔ حج مبرور کہتے ہی اس کو ہیں کہ جس سے زندگی تبدیل ہو جائے۔ پھر اگر نیت خالص ہوگی اور انسان بالارادہ و بالاختیار گناہوں سے بچے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں گے۔ جس کی یہ سوچ ہے کہ حج بڑھاپے کی عبادت ہے تو گویا اس نے حج کا فلسفہ ہی نہیں سمجھا۔

حج جیسے عظیم الشان اجر وثواب اور فضیلت کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جن پر حج فرض ہے، لیکن وہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے نہیں جاتے۔ کوئی بیوی بچوں کی تنہائی کا بہانہ بناتا ہے، تو کوئی روپے پیسے اور مال ودولت کے خرچ پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ کوئی دکان اور کاروبار کے اُجڑ جانے کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو کوئی بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی کا ہمالیہ کھڑا کر دیتا ہے اور کوئی طویل صعوبتوں اور مشقتوں سے خوف زدہ نظر آتا ہے۔ یہ سب اندیشے، وسوسے، خیالات اور توہمات اُنہیں لوگوں کا حصہ اور نصیب ہیں، جن کے دل ودماغ عشق الٰہی سے خالی اور بیت اللہ کی عظمت وبرکات سے بے بہرہ ہیں، ورنہ کون کلمہ گو انسان ایسا ہوگا، جو انوارات وتجلیات کے اس عظیم ترین مرکز اور بے بہا رحمتوں اور برکتوں کے خزانہ سے دور رہنا گوارہ کر سکے؟ فاعتبروا یا اولی الأبصار۔

حج: مظہر عشق و بندگی

مولانا سید محمد سلیمان بنوری

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، امّا بعد: ﴿وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ (الحج: 27) حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکمِ الٰہی، جو صدا لگائی، اُسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے بندگی، عبادت اور اللہ تعالیٰ سے اپنی والہانہ عقیدت و محبت کے اظہار کا ایک منفرد اور مخصوص طریقہ طے کر دیا، جسے حج کہتے ہیں۔ حج کیا ہے؟ اُس کے افعال و ارکان کی حکمت و فلسفہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت و معقولیت کا نقطہ کیا ہے؟ صوفیائے کرام نے سفرِ حج کو سفرِ عشق اور ارکانِ حج کو عاشقانہ وارفتگی سے تشبیہ دے کر یہ حکمت و حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

جس طرح عاشقِ زار کے افعال و اعمال میں ظاہری معقولیت دیکھنا اور بتانا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح افعالِ حج کے ظاہری افعال کی حکمت و معقولیت سمجھنے اور سمجھانے میں بھی دشواری پیش آسکتی ہے۔ فریضۂ حج کے ظاہری افعال و اعمال کی حقیقت و معقولیت کا ادراک کرنے کے لیے عقلِ سلیم، فطرتِ سلیمہ اور عشقِ حقیقی کا جذبہ صادق بنیادی شرط ہے، چناں چہ حاجی اپنے آپ اور اپنے حلیہ و لباس کو فراموش کر کے اور راہ کی مشقتوں، صعوبتوں کو بھلا کر، اپنے پروردگار محبوبِ حقیقی کی یاد اور ذکر کے ساتھ زیارت و ملاقات کے جذبات سے لبریز ہو کر، والہانہ وار اُس کے دَر پر حاضری دینے کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اپنے تمام تر حسیات اور قلبی کیفیات کے ساتھ مرکزِ تجلیات بیت اللہ پہنچ جاتا ہے، پھر مکہ سے منیٰ کا رُخ کرتا ہے اور پھر منیٰ سے عرفات جاتا ہے، عرفات سے پھر مزدلفہ آتا ہے اور وہاں سے پھر واپس منیٰ آجاتا ہے۔ یہ آمد و رفت، یہ سرگرداں ہونا، ہر ہر جگہ جا کر اُس ایک خدائے وحدہ لا شریک کو پکارنا، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نادم ہونا اور اُسے منانے کے لیے رونا دھونا کہ کسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کو پالے۔

بہ ظاہر اللہ ہمیں اس دنیا میں نظر تو نہیں آسکتا، لیکن اُس کے احکامات کی روشنی میں اُس کی عبادت کر کے اُسے پایا تو جاسکتا ہے۔ اُس نے ہمیں راستے اور طریقے بھی خود بتا دیئے، ابھی وہاں آ، واور اس طرح عبادت کر کے مجھے پالو اور یہ سب کچھ کرنا اسی طریقے سے ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اب حج کے ان سارے ارکان کو عام دنیوی سوچ اور عقل سے دیکھا جائے تو عجیب سا لگے گا، لیکن یہی اصل حقیقت ہے کہ:

میانِ عاشق و معشوق رمز یست　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اس شعر سے حج کے فلسفہ کو سمجھا جاسکتا ہے، جو اس رمز کو پالیتا ہے وہی کام یاب ہو جاتا ہے۔ دور سے دیکھنے والوں کو یہ کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کراماً کاتبین سے اس شعر میں فرشتے مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد اُس عاشقانہ کیفیت سے نا

آشنا لوگ ہیں، جب تک وہ اس جذبے کے اندر نہ اُتریں وہ اس کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب وہ اس عشق حقیقی کے اندر ڈوب جائیں گے تبھی ان کو پتہ چل سکے گا:

امر علی الدیار دیار لیلی　　اقبل ذاالجدار و ذاالجدارا

و ماحب الدیار شغفن قلبی　　و لکن حب من سکن الدیارا

معشوق کے گھر یعنی خدا اور اس کے راستے سے گذرنے کی بھی ایک راحت اور فضیلت ہے۔ شاعر نے یہی جذبہ اس شعر میں پیش کیا ہے، معشوق کے در و دیوار سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اور ساتھ ساتھ در و دیوار کی حقیقت کو بھی بیان کیا کہ معشوق کے بغیر اُن کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں ہے، جیسے حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو خطاب کر کے کہا کہ: اے پتھر! میں جانتا ہوں تیری حقیقت کچھ نہیں ہے، اگر میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ ان جگہوں کی وقعت اور حیثیت ان افضل اور مقدس ترین ہستیوں کی وجہ سے ہوئی جو یہاں آئے اور یہاں سے گذرے۔

حج کا جو قافلہ ہوتا ہے یہ عُشاق کا ٹولہ ہوتا ہے، اس کارواں میں بعض حقیقی عاشق ہوتے ہیں اور بعض ظاہری، اسی وجہ سے نوازنے کے اعتبار سے فرق بھی ہوتا ہے، کسی کو خدا ملتا ہے اور کوئی وقت گذاری کر کے خالی ہاتھوں لوٹ جاتا ہے اور اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جو شخص حج کو اس کی حقیقی روح اور مقصد کے ساتھ ادا کرتا ہے تو گویا وہ خدا کو پالیتا ہے، اُس کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے اور جس کو خدا نہیں ملتا وہ تہی داماں ہو کر واپس آتا ہے، اور جو پالیتا ہے تو وہ گویا معصوم نومولود بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ حَجَّ للہ فلم یرفث و لم یفسق رجع کیوم ولدتہ اُمُّہ" (بخاری: 1/413، باب فضل الحج المبرور) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے محض اللہ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس حج میں گالم گلوچ نہ کی اور نہ ہی گناہ و فسق و فجور کیا تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک صاف ہو کر) ایسے واپس لوٹتا ہے، جیسے آج ہی کے دن اس کی ماں نے اُسے جنا ہو۔

جیسے رات کے آخری وقت میں اُٹھ کر مانگنا ہے۔ نیک، عبادت گزار، تہجد گذار لوگ رات کے آخری وقت میں اٹھ کر اللہ سے مانگتے ہیں، کیوں کہ اس وقت اللہ نے خود فرمایا ہے: میں اس وقت آسمانِ دنیا پر موجود ہوتا ہوں، قریب ہوتا ہوں۔ اس لیے بندہ جا کر اللہ سے مانگتا ہے، تو ایسے ہی حج کے اندر اللہ نے کہا کہ: میں اس دن فلاں وقت عرفات میں موجود ہوں گا، اور اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کروں گا۔ عاشق حقیقی کو یقین ہوتا ہے کہ: اللہ نے فرمایا ہے کہ عرفہ کے دن میں میدانِ عرفات میں موجود ہوں گا، چناں چہ حاجی مسجد حرام (جس کی اتنی فضیلت ہے کہ وہاں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے) کی بجائے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور پھر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے

ہیں کہ ذرا میرے بندوں کی طرف تو دیکھو! یہ میرے پاس پراگندہ بال، گرد آلود اور لبیک وذکر کے ساتھ آوازیں بلند کرتے ہوئے دور دور سے آئے ہیں، میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُنہیں بخش دیا۔ یہ سن کر فرشتے کہتے ہیں کہ پروردگار! ان میں فلاں شخص وہ بھی ہے جس کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی ہے اور فلاں شخص اور فلاں عورت وہ بھی ہے جو گناہ گار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اُنہیں بھی بخش دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں یوم عرفہ کے برابر لوگوں کو آگ سے نجات کا پروانہ عطا کیا جاتا ہو۔

پھر اللہ نے جب حکم دیا کہ عرفات سے مزدلفہ آجاؤ، اب تم مجھے وہاں پاؤ گے تو پھر سب وہاں پہنچ گئے، پھر اس کے بعد دوبارہ منیٰ واپسی کا حکم دیا کہ اب وہاں کچھ راتیں گذارو۔ منیٰ امنیات (امیدوں) سے ہے، منیٰ میں موجود رہ کر اللہ کو مناتے رہو، اللہ سے امیدیں باندھو۔ منیٰ کا قیام ہمارے لیے ترغیب اور تربیت ہے، دنیا کے ساتھ اپنی تمنائیں اور امیدیں نہ باندھے، دنیا میں اپنی خواہشات کو نہ ڈھونڈھے، غیر اللہ کے ساتھ امیدیں نہ باندھے، بلکہ صرف ایک ذات کو اپنی امید کا مرکز ومحور بنالے، اُس ایک ذات سے مانگے اور دعائیں کرتا رہے اور منیٰ میں رہ کر شیطان کو دھتکارتا رہے اور مارتا رہے۔ ایک طرف اللہ نے منیٰ میں عبادات اور دعاوں کا حکم دیا، اس کے ساتھ ہی شیطان کو جا کر کنکریاں مارنے کا حکم بھی دیا۔ اگر ان ارکان کو اُن کی صحیح روح اور حقیقت کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس کا بہت گہرا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے اور پھر ساری زندگی ان شاء اللہ! اسی طرح وہ شیطان کو دھتکارتا رہے گا اور اللہ سے مانگتا رہے گا۔

یہ ایک عام خیال ہے کہ بس توفیق مل گئی، یہی اصل ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ بلاوا تو نصیب والوں کا ہوتا ہے اب وہ صاحب نصیب توفیق ملنے کے بعد یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب میں یہاں آ گیا ہوں، جیسے چاہے وقت گذاروں، سب قبول ہے۔ توفیق یا نصیب کا مل جانا یہ یقیناً سعادت مندی کی علامت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ احتیاط اور ڈر بھی ضروری ہے۔ اگر قدردانی اور شکرِ نعمت ہوگا تو اس توفیق میں مزید اضافہ بھی ہوگا۔ بعض بزرگوں کے بارے میں سنا گیا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ: حج سے ڈرنا چاہیے۔ حج سے اس لیے ڈرنا چاہیے کہ اگر آپ حج اس مقصد اور مطلوبہ کیفیت کے ساتھ نہیں کر رہے تو وہ نجات کا ذریعہ بننے کی بجائے سوہانِ روح اور وبالِ جان بن جاتا ہے۔ جو شخص محض شہرت، تفریح، نام وری، ریاکاری اور دکھلاوے کی غرض سے حج کرے گا تو وہ کہاں سے خدا کو پاسکے گا؟!۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت کے مال دار سیر وتفریح کے لیے حج کریں گے اور بیچ کے درجہ کے لوگ تجارت کے لیے کریں گے۔ اُن کے علماء اور پڑھے لکھے ریا، شہرت اور نام وری کے لیے کریں گے اور غریب لوگ سوال (مانگنے) کے لیے کریں گے۔ (القری: ص:13)

حج کیفیات کے ساتھ ہے، اس لیے دورانِ حج مقصد اور کیفیات کا احساس بار بار ہونا چاہیے، اس کی فکر کرنی چاہیے، لوگ بھول جاتے ہیں۔ شیطان تو ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ اُسے گم راہ کرنے سے کبھی غافل نہیں رہتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس بلاوا آ گیا، توفیق مل گئی تو خوش ہو گئے کہ اب میں یہاں پہنچ گیا ہوں، اب جو کروں جیسے کروں، وہ

سب قبول ہے۔ اگر یہ تصور اور سوچ ہے تو یہ بھی شیطان ہی کا دھوکہ ہے اور شیطان کے انہی حملوں سے بچنا یہ بھی حج کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ دورانِ حج غفلت، بے توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے ہم کتنے غیر شرعی کام کر لیتے ہیں: سب سے پہلے حج کو جاندار انسانی تصویروں اور فلموں سے سمجھا جاتا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد بھی ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں۔ نمازوں کے ادا کرنے میں کوتاہی، جماعت کی پابندی میں کوتاہی، احرام باندھنے کے بعد بجائے تلبیہ وذکرُ اللہ کے غیبت، گناہ، منکرات ومنہیات کا ارتکاب، نامحرم عورتوں سے اختلاط، عورتوں کی بے پردگی، بدنظری اور دیگر کئی گناہ حج کے دوران سرزد ہورہے ہیں۔ ان گناہوں کے اثر سے دل کی وہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ جو ملنا ہوتا ہے وہ نہیں ملتا۔ یقینا توفیق اس انسان کو بھی ملی ہے، لیکن یہ گناہوں کے ذریعے اپنی توفیق کو ضائع کر کے محروم ہورہا ہے۔ عبادات کے ذریعے مرتب ہونے والے فوائد وثمرات کی حفاظت کے لیے گناہوں سے بچنا سخت ضروری ہے۔ اگر پرہیز کے ساتھ حج ہوگا تو حج کا فائدہ بھی ظاہر ہوگا۔ اگر گناہ اور منکرات ومنہیات سے پرہیز نہ کیا اور جو توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی، اُس کی کما حقہ قدر نہیں کی تو پھر وہ شیطان کے حملوں سے نہیں بچا۔ شیطان کے حملے اسی طرح جاری رہیں گے اور وہ اپنا کام کرتا رہے گا۔

اگر ایک آدمی صاحب استطاعت ہونے کے باوجود فرض حج نہیں ادا کرتا تو یہ ناشکری اور ناقدری ہے۔ گویا عملی طور پر وہ خدا کو اپنی عدم احتیاج کا اظہار کر رہا ہے کہ مجھے تو آپ کی ضرورت ہی نہیں، حالاں کہ اُسے مال واسباب سے جو نوازا گیا تھا وہ اس لیے تھا کہ اب تم میری طرف آجاؤ، لیکن تم نہیں آئے۔ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے صرف صاحب استطاعت پر اور وہ بھی زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج فرض کیا ہے، حدیث میں آتا ہے: "**عن علی رضی الله عنه: من ملک زاداً وراحلةً تبلغه إلی بیت الله الحرام فلم یحج فلا علیه ان یموت یهودیاً او نصرانیا** (ترمذی:1/100) ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس سفر حج اور بیت اللہ تک پہنچنے کے لیے سواری کا انتظام ہو اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں اس بات میں کہ وہ یہودی ہو کر مرجائے یا نصرانی ہو کر مرے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**من اراد الحج فلیتعجل**" (ابوداؤد:1/242) ترجمہ: جس نے حج کا ارادہ کر لیا تو اب اُسے چاہیے کہ وہ جلدی کرے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب فرض حج ادا ہوگیا تو اب نفلی حج کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک ہی دفعہ حج کیا۔ غور کیا جائے تو یہ بھی خدا کا اُمت پر احسان ہے کہ اس نے صاحب استطاعت پر زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ حج فرض قرار دیا کہ ہاں! اگر ایک دفعہ بھی تم نے حج کر کے اپنے رب کو پالیا اور تمہاری زندگی تبدیل ہوگئی تو یہ بھی تمہارے لیے کافی ہے، ورنہ جس کو اللہ نے ہمیشہ نوازا ہے، اگر وہ کامل زندگی بھی اس راستے میں لگادے اور بار بار حج کرتا رہے تو بھی حق نہیں ادا ہوسکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **عن عبد الله رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: تابعوا بین الحج والعمرة فإنهما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید**

والذهب والفضة، وليس للحجة المبرورة ثواب إلا الجنة۔ (ترمذی:1/167) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پے در پے حج وعمرے کیا کرو، کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے۔

یہ بات بھی زبان زد عام ہے کہ نفلی حج کی بجائے اس رقم سے کسی غریب اور مستحق کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے، ایک مد ہے زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ، جس کا مستحق ایک غریب اور ضرورت مند ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ صدقاتِ نافلہ بھی ہیں، مثلاً انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا، اپنی اولاد واہل وعیال پر خرچ کرنا، کسی کو ہدیہ، تحفہ دے دینا، کسی کی دعوتِ طعام کر دینا، کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور کوئی کار خیر کرنا، یہ تمام صدقاتِ نافلہ ہیں۔ صدقاتِ نافلہ میں انسان کو اختیار ہے، دل چاہے تو یہ کرلے اور دل چاہے تو وہ کرلے۔ صدقاتِ واجبہ کو صدقاتِ نافلہ کے ساتھ خلط نہیں کرنا چاہیے۔ غریب اور ضرورت مند کے لیے تو اللہ نے صاحب نصاب پر ہر سال زکوٰۃ اور صدقہ فطر فرض کیا ہے، جو صاحب نصاب کو ہر سال اور ہر حال میں ادا کرنا چاہیے۔ صاحب استطاعت نفلی حج، زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ کی رقم سے تو ادا نہیں کر رہا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ اگر ایک صاحب حیثیت زکوۃ اور صدقات واجبہ ادا کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بطورِ صدقہ نافلہ اللہ کے راستے میں اس کے قرب کی خاطر حج ادا کر رہا ہے، تو یہ بھی شریعت کے تقاضے کے مطابق ہے۔

صدقاتِ نافلہ میں انسان جہاں بھی خرچ کرے وہ کار خیر ہے اور ایک کارِ خیر کو دوسرے پر وقتی حالات اور ضرورت کے پیش نظر ترجیح تو دی جاسکتی ہے، لیکن کسی ایک ہی کو افضل سمجھ لینا یا ان کارہائے خیر میں باہمی تقابل کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔ بسا اوقات یہ شیطان کا دھوکہ بھی ہوتا ہے کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ فلاں نیک کام ابھی نہیں کرنا، بعد میں کرلوں گا، ابھی کوئی دوسرا نیک کام کر لیتا ہوں، پہلا کار خیر موخر کر دیا اور اس کا وقت گذر گیا اور دوسرا نیک کام جس کا ارادہ کیا تھا پھر وہ بھی نہ کر سکا، چناں چہ اس سوچ کی وجہ سے وہ کارِ خیر سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ مالی عبادات کی قبیل سے ہیں، جب کہ حج مالی اور جانی دونوں قسم کی عبادت ہے۔ بسا اوقات تن آسانی کے لیے بھی شیطان اس طرح ورغلاتا ہے، کیوں کہ حج دراصل مشقت کا نام ہے۔ ہزاروں سہولیات واسباب بڑھنے کے باوجود آج تک وہ مشقت ہر دور کے اعتبار سے برقرار ہے۔ یہ مشقتیں بھی حج کے اجر کو بڑھاتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران ادا فرمایا تھا ،یعنی ایک سفر اور ایک احرام کے اندر دو عبادتوں کو جمع کرنا، اس میں مشقت بھی زیادہ ہے اور ثواب بھی زیادہ ہے، اسی لیے امام ابوحنیفہؒ نے قران کو افضل کہا ہے۔ غرض تن آسانی کی وجہ سے بھی یہ دھوکہ ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ حج تو بڑھاپے کی عبادت ہے، ابھی جوان ہیں، جب گناہوں سے مکمل توبہ کرلیں گے تب جا کر حج کریں گے۔ تو یہ بھی درحقیقت شیطان ہی کا دھوکہ ہے، گویا کہ اس سوچ اور فکر سے یہ بات طے کرلی ہے کہ ہم نے ابھی مزید گناہ کرنے ہیں۔ یہ سوچ بذات خود بہت بڑا گناہ ہے کہ اس نیت سے اپنے آپ کو حج فرض سے روک لیا۔ (بقیہ صفحہ:۲۵ پر)

قربانی کی فضیلت اور اس کی حکمت

مولانا محمد راشد شفیع

قربانی دین اسلام کی اہم ترین عبادت ہے، اس ماہ مبارک میں لاکھوں مسلمان اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں جانور، اللہ تعالی کی رضا کی خاطر ذبح کیے جاتے ہیں، قربانی کی عبادت بندے کی اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ عشق ومحبت کا مظہر ہے، ہونا یہ چاہیے تھا کہ بندہ خود اللہ تبارک وتعالی کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا؛ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہے کہ اللہ تعالی نے جانوروں کو ذبح کرنا اس کے قائم مقام قرار دے دیا، اور جس شخص کو بھی اللہ تبارک وتعالی نے مالی وسعت عطا فرمائی ہے وہ شخص قربانی کرنا اہم دینی فریضہ سمجھتا ہے اور بہت بدنصیب ہے وہ آدمی کہ جو باوجود مالی وسعت کے اس عظیم عبادت سے محروم رہے۔

بارگاہ الٰہی میں قربانی پیش کرنے کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے ہی چلا آرہا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی نے سورت المائدہ میں سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل وقابیل کا قصہ ذکر فرمایا ہے کہ دونوں نے اللہ تعالی کے حضور قربانی پیش کی، ہابیل نے عمدہ دنبہ قربان کیا اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار یعنی غلہ پیش کیا۔ اس وقت قربانی قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ آکر قربانی کو کھالیتی؛ چنانچہ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھا لیا اور قابیل کی قربانی وہیں پڑی رہ گئی، یوں وہ قبولیت سے محروم ہوگئی۔

قربانی کا عمل ہر امت میں مقرر کیا گیا؛ البتہ اس کے طریقے اور صورت میں کچھ فرق ضرور رہا ہے۔ انھیں میں سے قربانی کی ایک عظیم الشان صورت وہ ہے جو اللہ تعالی نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عید الاضحیٰ کی قربانی کی صورت میں عطا فرمائی ہے جو کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے۔ احادیث مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے؛ چنانچہ حضرتِ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت ہیں"۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، "یارسول اللہ! ان میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے؟" فرمایا، "ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے"۔ عرض کیا، "اور اُون میں"؟ فرمایا، "اس کے ہر ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی ہے"۔ (ابن ماجہ، کتاب الاضاحی) اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے کا کتنا عظیم ثواب بیان فرمایا ہے کہ جانوروں کے بالوں کے بقدر جو کہ گننا ناممکن ہے، بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔

دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایام قربانی (یعنی ۱۰/ تا ۱۲/ ذی الحجہ) انسان کا کوئی بھی عمل

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اور قیامت کے روز قُربانی کا یہ جانور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے سینگوں، بالوں اور کُھروں سمیت حاضر ہوگا، اور بلاشُبہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ پالیتا ہے، تو اے مومنو! خُوش دِلی سے قُربان کیا کرو۔ (ترمذی) ایک اور روایت میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! اُٹھو اپنی قُربانی کے جانور کے پاس جاؤ اور اسے لے کر آؤ؛ کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے پر تمہارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اُنہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! یہ انعام ہم اہلِ بیت کے ساتھ خاص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟" تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "بلکہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے"۔ (المستدرک، کتاب الاضاحی)

ایک اور روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاَضاحی) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ دس سال مدینہ میں مقیم رہے اور ہر سال قربانی فرماتے تھے۔ (سنن ترمذی) حضور نبی کریم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا قربانی کی اہمیت، فضیلت اور تاکید کے لیے کافی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سیاہ اور سفید رنگت والے اور بڑے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی فرما کرتے تھے اور اپنے پاؤں کو ان کی گردن کے پاس رکھ دیا کرتے تھے اور اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری) قربانی کے عمل کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک وقت میں سو اونٹوں کی قربانی فرمائی، ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے خود اپنے دستِ اقدس سے سو میں تریسٹھ اونٹوں کو ذبح فرمایا؛ جب کہ باقی کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری)

قربانی کس پر واجب ہے؟ قربانی واجب ہونے کا نصاب وہی ہے جو صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا نصاب ہے، یعنی جس عاقل، بالغ، مقیم، مسلمان مرد یا عورت کی ملکیت میں قربانی کے ایام میں قرض کی رقم منہا کرنے بعد ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی، یا اس کی قیمت کے برابر رقم ہو، یا تجارت کا سامان، یا ضرورت سے زائد اتنا سامان موجود ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، یا ان میں سے کوئی ایک چیز یا ان پانچ چیزوں میں سے بعض کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسے مرد و عورت پر قربانی واجب ہے۔

قربانی واجب ہونے کے لیے نصاب کے مال، رقم یا ضرورت سے زائد سامان پر سال گزرنا شرط نہیں ہے، اور تجارتی ہونا بھی شرط نہیں ہے، ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کے سورج غروب ہونے سے پہلے اگر نصاب کا مالک ہوجائے تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہے۔ ضرورتِ اصلیہ سے مراد وہ ضرورت ہے جو جان اور آبرو سے متعلق ہو یعنی اس کے پورا نہ ہونے سے جان یا عزت و آبرو جانے کا اندیشہ ہو، مثلاً: کھانا، پینا، پہننے کے کپڑے، رہنے کا مکان، اہلِ صنعت و حرفت کے

لیے ان کے پیشہ کے اوزار ضرورتِ اصلیہ میں داخل ہیں۔ اور ضرورت سے زائد سامان سے مراد یہ ہے کہ وہ چیزیں انسان کے استعمال میں نہ ہوں، اور ہر انسان کی ضروریات اور حاجات عموماً دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اور راجح قول کے مطابق ضروریات کو پوری کرنے کے لیے اشیاء کو جائز طریقہ سے اپنی ملکیت میں رکھنے کی کوئی خاص تعداد شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے؛ بلکہ جو چیزیں انسان کے استعمال میں ہوں اور انسان کو اس کے استعمال کی حاجت پیش آتی ہو اور وہ اشیاء تجارت کے لیے نہ ہوں تو ضرورت اور حاجت کے سامان میں داخل ہے۔ لہٰذا جو چیزیں انسان کے استعمال میں نہ ہوں اور اس کو ان کی حاجت بھی نہ ہوتی ہو تو وہ ضرورت سے زائد سامان میں شامل ہے، قربانی کے نصاب میں اس کی مالیت کو شامل کیا جائے گا۔

قربانی سے متعلق چند اہم مسائل: (۱) بعض لوگ پورے گھر کے افراد کی طرف سے صرف ایک بکرا قربان کرتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات گھر کے کئی لوگ صاحبِ نصاب ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان سب پر قربانی واجب ہوتی ہے، ان سب کی طرف سے الگ الگ قربانی کی جائے۔ ایک بکرا جو سب کی طرف سے کیا گیا کسی کا بھی واجب ادا نہ ہوا کہ بکرے میں ایک سے زیادہ حصّے نہیں ہوسکتے۔ (۲) بڑے جانور مثلاً بھینس وغیرہ میں سات قربانیاں ہوسکتی ہیں۔ (عالمگیری) (۳) دوسرے کی طرف سے واجب قربانی ادا کرنے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے، ورنہ دوسرے کی طرف سے قربانی ادا نہیں ہوگی، اگر کسی جگہ پر اپنے متعلقین کی طرف سے قربانی کرنے کی عادت اور رواج ہے تو اس صورت میں اجازت لینا ضروری نہیں، بغیر اجازت کے بھی قربانی ادا ہوجائے گی (عالمگیری) (۴) قربانی کے وَقْت میں قربانی ہی کرنا لازِم ہے، کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، مَثَلاً بجائے قربانی کے بکرا یا اُس کی قیمت صَدَقہ (خیرات) کردی جائے، یہ ناکافی ہے۔ (عالمگیری) (۵) قربانی کا جانور کا بے عیب ہونا ضروری ہے، عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں (ردالمحتار)

اہم وضاحت: آج کل کچھ ملحد لوگ اور بے دین لوگ قربانی پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قربانی کرنا پیسے اور وقت کا ضیاع ہے؛ حالانکہ ان کی یہ بات شرعاً وعقلاً قابل قبول نہیں ہے؛ اس لیے کہ اگر قربانی کرنا پیسے اور وقت کا ضیاع ہوتا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کی اتنی زیادہ تاکید وارد نہ ہوتی، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ قربانی کرنا اللہ تبارک وتعالی کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ عشق ومحبت کا اظہار بھی ہے، اور مومن بندے کی مغفرت کا باعث بھی ہے؛ اس لیے ایسے لوگوں کی باتوں کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالی تمام مسلمانوں کی قربانیوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے!

تصوف کی غرض وغایت

علامہ سید سلیمان ندویؒ

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر: ۱۸)

مذکورہ بالا آیت کریمہ تصوف کی غرض وغایت اور شریعت وطریقت کی روح ہے کہ انسان تفکر وتدبر کرے کہ اس نے آنے والے کل کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ مستقبل کی موہوم زندگی کے لیے انسان، کیا کچھ نہیں کرتا، مگر روزِ آخرت، جو وعدہ الٰہی ہے اور جس پر یقین وایمان لائے بغیر، کوئی آدمی، مومن نہیں بن سکتا، اس سے ہم غافل ہیں اور اس کے لیے تیاری نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی مراقبہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور صوفیائے کرام ومشائخ بھی یہی فرماتے ہیں، جو قرآن پاک سے سرِ مُوتجاوز نہیں، اور عین منشاء الٰہی ہے۔

یہ علیحدہ بحث ہے کہ غلط لوگوں نے تصوف کو چیستان بنا دیا ہے، ورنہ تصوف، انابت الی اللہ اور ذکر وشغل کے سوا کچھ نہیں ہے اور ذکر وشغل بھی وہ، جو کتاب وسنت سے ثابت ہے، اور قرنِ خیر سے جس کی تلقین کی گئی ہے، اور بنصِ قرآن ثابت ہے اور جو اُسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری باب ہے۔

"یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" (الجمعۃ:۲)

آیت میں تو حضور کا یہ منصب بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی یہی ہے کہ علم وحکمت سکھا کر، تزکیہ نفوس فرمائیں۔ چاروں سلسلہ ہائے تصوف میں یہی روح، کارفرما ہے۔ بعد میں آنے والے لوگوں کی خرافات سے، ان پاکیزہ نفوس کی تعلیمات، پاک ہیں۔

ہر عمل میں طلبِ رضا کا شعور پیدا ہونا ہی اس طریق کا حاصل ہے۔ اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں اور قرآن پاک کی زبان سے اس کی تعبیر:

"یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ: ۵۴) رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (التوبۃ:۱۰۰) کے لفظوں میں کی گئی ہے۔

"یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً" (الفجر:۲۷)

انہی کے لیے نویدِ بشارت ہے۔ (واردات ومشاہدات/ مرتب: عبدالرشید ارشد/ صفحہ: ۲۷/ ۲۸/)

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا

عمر فاروق ندوی فتحپوری

دنیا کے اندر جب بھی محبت وخلت، ایثار وقربانی، فدائیت وجانثاری، شیفتگی وفریفتگی، اطاعت شعاری وسرافگندگی اور نفس کشی ونفس فراموشی کے عنوان سے مجالس ومحافل آراستہ کی جائیں گی، لامحالہ پیکر فدائیت، مجسم قربانی، عنوان جہد مسلسل، جانباز وجان نثار باپ بیٹوں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے ناموں کی زمزمہ سنجی وقصیدہ خوانی سے کیف وسرور ضرور حاصل کیا جائیگا، اور رہتی دنیا تک نسل در نسل ان باپ بیٹوں کے مجاہدانہ وسپاہیانہ اوصاف وکمالات منتقل ہوتے رہیں گے۔

ابراہیم نام ہے ان جلیل القدر، اوالعزم پیغمبر کا جو آج سے 4000 برس قبل عراق (بابل) کی سرسبز وشاداب سرزمین پر، ایسے جاں بلب اور جاں سوز حالات میں ایسی قوم کی جانب مبعوث ہوئے جو قوم نہ صرف شرک وبت پرستی، کواکب پرستی، مظاہر پرستی اور شاہ پرستی میں پوری طرح غرق تھی، بلکہ جس خاندان میں اس داعیٔ حق کی ولادت باسعادت ہوئی، اس خاندان کو ان مشرکین وکافرین کی سربراہی حاصل تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر بت پرست ہی نہ تھا بلکہ بت پرستوں کا سردار اور مہنت بھی تھا۔ قرآن کریم نے اس کی اس حیثیت کو اجاگر کیا ہے:

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الانعام 74) ترجمہ (اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں)۔

اس شرک زدہ ماحول میں جہاں ڈگر ڈگر پر صنم پرستی اور ستارہ پرستی کی ظلمتیں ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں، جہاں کفر وشرک کو بادشاہ وقت نمرود کی نہ صرف یہ کہ مکمل ومضبوط حمایت حاصل تھی، بلکہ وہ خود طاقت وقوت کے پندار میں خدائی دعوے کر رہا تھا، ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اس مرد مجاہد نے پوری قوم سے، بادشاہ وقت سے، اپنے خاندان سے، اپنے والد سے اور ان کے خود ساختہ دیوی دیوتاؤں سے کمال جرأت ایمانی کے ساتھ اعلان برأت کیا اور دھڑلے سے کیا:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (26) اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ (27)

ترجمہ: (اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا کہ ضرور وہ بہت جلد مجھے راہ دے گا)

یہ اعلان آپ کی زبان حق سے صادر ہونا تھا کہ باپ، خاندان، قوم اور سلطنت وقت سب آپ کے درپے ہو گئے،

مگر اس جبل استقامت نے تمام مخالفتوں اور مزاحمتوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے مشن کو جاری رکھا، بلکہ اور دو قدم آگے بڑھے اور اپنی جرأت مومنانہ کا ثبوت دیتے ہوئے کافروں کے خود تراشیدہ مجسموں کی گردنیں اڑا دیں۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس حوصلہ و جرأت کی شہادت دی ہے:

فَرَاغَ اِلٰی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ (91) مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (92) فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ (الصفت 93) ترجمہ (پھر آپ ان کے خداؤں میں جا گھسے پھر فرمایا: کیا تم کھاتے نہیں؟ تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں؟ اس کے بعد وہ ان بتوں پر پل پڑے اور داہنے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں)

قوم کو جب واقعہ کی خبر ملی اس کے غیظ و غضب کا ٹھکانہ نا رہا وہ چیخ اٹھی:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (68) ترجمہ (وہ چلائے جلا ڈالو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے)۔

نمرود جو کہ پہلے ہی سے بھرا بیٹھا تھا، حضرت ابراہیم کی انقلابی دعوت رب العالمین میں اسے اپنی ربوبیت کا تخت چوبیں لرزتا نظر آرہا تھا، فوراً قوم کی درخواست پر حکومت کے نشے اور طاقت کے پندار میں ایک بڑا سا الاؤ تیار کرنے کا حکم جاری کر دیا اور جب آگ خوب دہک چکی، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینک دیا گیا۔ مگر قوت کے گھمنڈ میں نمرود یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ ایک ماورائے عقل طاقت بھی ہے جس کی پشت پناہی حضرت ابراہیم کو حاصل ہے، آگ، ہوا، پانی، مٹی سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور داعیان حق کو جس کا خاص تحفظ حاصل ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا) چنانچہ حکم ہوا: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (69) ترجمہ (ہم نے فرمایا: اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا)

دشمن اگر قویست نگہبان قوی تر است، جب ارباب کفر و شرک کا یہ داؤ کامیاب نہ ہو سکا اور نمرود کی کمزور اور جعلی طاقت کو ابراہیم کے سپر پا ور رب کے سامنے منہ کی کھانی پڑی، تو زچ ہو کر خود پدر ابراہیم نے کہا:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (46) ترجمہ: (بولا کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرتا ہے؟ اے ابراہیم! بیشک اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر ماروں گا اور تو عرصہ دراز کیلئے مجھے چھوڑ دے)

اندازہ کیجئے ایک باپ کی زبانی جب زہر سے زیادہ ضرر رساں الفاظ بیٹے کے لیے نکلے ہوں، کیا کچھ بیٹے پر گزری ہوگی۔ مگر قربان جایئے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کے صبر و تحمل پر، اس سخت گیر اور دل آزار گفتگو پر بھی انہوں نے رشتہ پدری کی بزرگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نا دیا اور جواب میں فقط فرمایا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم 47) ترجمہ: (فرمایا: بس تجھے سلام ہے۔ عنقریب میں تیرے لیے اپنے رب سے معافی مانگوں گا بیشک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے)

یقیناراہ دعوت میں یہ بڑادشوار گزار موقع ہے مگر جب بات ایمان ویقین کی بقااور تحفظ کی ہوتوایسے ہزار رشتوں کی بھینٹ بھی گوارا ہے۔ایک داعی کا کام صرف ایصال دعوت حق ہے، سامان اشاعت پیدا کرنے کا کام خدا کا ہے،لہذا ابراہیم بلاکسی تاخیر کے اپنی بیوی اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ہمراہ پیغام الٰہی اور دعوت حق کے لیے خاندان اور قوم کو چھوڑ کر بستی سے نکل پڑے،راہ خدامیں نکلنے والوں کے لیے زمین میں بڑی وسعت وکشادگی ہے:

و مَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّ سَعَۃً-(النساء100)ترجمہ:(اور جواللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا)

ابراہیم اعلاءکلمۃ اللہ اور غلغلہ توحید بلند کرتے ہوئے نکل پڑے،وہ پہلے کلدانیین گئے، پھر فلسطین پھر نابلس اور پھر مصر پہنچ گئے۔سبحان اللہ کیا شان تھی،آپ کی،آدھی دنیا میں تن تنہا پھر گئے،ناماتھے پر شکن ہے،ناپاؤں میں تھکن ہے،صرف ایک ہی دھن ہے،ایصال دعوت حق ،اسی راہ کی غبار چھانتے چھانتے عمر مبارک 80 رسال سے متجاوز ہوگئی،آزمائشوں کا طوفان برپا ہے،بوڑھاپے کی اس عمر میں بھی کسی اولاد کا سہارانہیں،عمر جب 87 ربرس کو پہنچ گئی تو پروردگار کو اپنے اس بوڑھے سپاہی پر ترس آیا،اور بارگاہِ ایزدی سے بشارت ولدصالح ملی،سالوں سے انگڑائی لے رہی تمنااب برآنے کو تھی، پورا گھرانۂ نبی خوشی سے سرشار تھا، کچھ ہی عرصے بعد زوجۂ نبی اماں ہاجرہ کے بطن سے بیٹا اسماعیل مولود ہوا، باپ بھی فرحاں وشاداں، ماں کی خوشی کا بھی ٹھکانہ نہیں۔

مگران معصوم والدین کو کیا معلوم کہ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں،فرحت وانبساط کی انہیں گھڑیوں میں حکم خداوندی آن پہنچا کہ اے ابراہیم !جاؤاس لخت جگراوراس کی ماں کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ۔کہیں ایسا نہ ہومحبت پدری آپ کوفتنہ میں مبتلا کردے اور آپ اپنے رب سے غافل ہوجاؤ،کیا شان ہے ابراہیم خلیل اللہ کی اطاعت وسرافگندگی کی ذرہ برابر تاخیر کئے بغیر روانۂ سفر ہوگئے۔یہ بھی گوارانا کیا کہ شریک حیات،محرم راز بیوی کو ہی خبر کردیں، جب حرم کے قریب اس منزل پر پہنچ گئے، جووادی سراپا وحشت تھی، جہاں خوف وہراس اور سناٹے کا بسیرا تھا، جانوروں اور موذی جانوروں، سیاہ پہاڑوں کی آماجگاہ، جووادی ضرور تھی،لیکن آب ودانہ اور حیوان ناطق نام کی کوئی چیز وہاں میسر نہ تھی۔

ذرا تصور کیجیے کہ ہم ایسی کڑی آزمائش سے دوچار ہوئے ہوتے تولڑکھڑا کر کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہو،تے لیکن حضرت ابراہیم گھبرائے نہیں لڑکھڑائے نہیں، بلکہ ڈٹے رہے اور آزمائش پر جمے رہے، کیونکہ ان کا ایمان ویقین اس ذات عزیز وقدیر اور علیم وخبیر پر تھا کہ شب دیجور میں سیاہ پہاڑ پر سیاہ چیونٹی کی نقل وحرکت بھی جس کے علم سے باہر نہیں ہے، جواس حقیر کیڑے کی بقائے حیات کا سامان بھی باہم پہنچاتا ہے، اسی رب کے حکم سے اس نے ان جگر کے ٹکڑوں کو وادی سنسان میں چھوڑا تھا۔

اب ذرا سوچئے کہ کہ خالق کائنات پر جس کے یقین کا یہ عالم ہو کیسے اس کے پائے ثبات کو متزلزل کیا جاسکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دریافت کرنے پر جب اماں ہاجرہ کو معلوم ہوا کہ حکم خداوندی یہی ہے اور اسی کی پیروی شوہر کر رہے ہیں تو بول اٹھیں: ''اذا لا یضیعنا'':

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف　　کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

مگر ساری دنیا اس وقت حیران ششدر رہ گئی جب اسی رب حکیم وخبیر کے حکم پیروی میں اس بوڑھے باپ نے اپنے اس معصوم لخت جگر ولخت دل اسماعیل کے حلقوم پر چھری پھیرنے سے بھی دریغ نا کیا، بوڑھے باپ نے اپنی ایک نری اولاد بلکہ کہیے خود اپنی گردن پر چھری رکھ دی تھی، مگر مجال جو ذرہ برابر بھی اس کے دل میں کھٹک بھی پیدا ہوئی ہو اور کیسا مطیع و منقاد فرزند عطا ہوا تھا باپ نے تو بغیر باندھے اور سیدھا لٹا دیا تھا بیٹا دو قدم اگے نکلا کہ ابا جان پروردگار کا حکم ہے میرے ہاتھ پاؤں میں رسی باندھ دیجئے، مجھے اوندھا لٹا دیجئے، کہیں میری معصوم شکل پر آپ کو ترس نہ جائے، کیسی عجیب اس روئے زمین پر یہ اطاعت تھی اور کس قدر حیرت انگیز یہ نظارہ تھا۔ ملاحظہ کیجیے قرآن کی پرزور اور فصاحت وبلاغت سے لبریز زبان سے:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (100) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (101) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی، قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ، سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (102) فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (103) نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ (104) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا، اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (105) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ (106) وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (107) وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ (108) سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (109) كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (110) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (الصفت 111)

اور ابوالاثر حفیظ جالندھری نے کیا خوب ان آیات کی ترجمانی اپنی زبان منظوم میں کی ہے:

بشارت خواب میں پائی کہ اُٹھ ہمت کا ساماں کر　　پئے خوشنودیٔ مولیٰ اسی بیٹے کو قرباں کر
خلیل اللہ اُٹھے خواب سے دِل کو یقین آیا　　کہ آخر اِمتحاں بندے کا مالک نے ہے فرمایا
پدر بولا کہ بیٹا آج میں نے خواب دیکھا ہے　　کتابِ زندگی کا اِک نرالا باب دیکھا ہے
یہ دیکھا ہے کہ میں خود آپ تجھ کو ذبح کرتا ہوں　　خدا کے نام سے تیرے لہو میں ہاتھ بھرتا ہوں
سعادت مند بیٹا جھک گیا فرمانِ باری پر　　زمین وآسماں حیراں تھے اس طاعت گزاری پر
رضا جوئی کی یہ صورت نظر آئی نہ تھی اب تک　　یہ جرأت پیشتر انساں نے دکھلائی نہ تھی اب تک
عجب بشاش تھے دونوں رضائے ربِّ عزت پر　　تأمل یا تذبذب کچھ نہ تھا دونوں کی صورت پر
کہا فرزند نے اے باپ، اسمٰعیل صابر ہے　　خدا کے حکم پر بندہ پئے تعمیل حاضر ہے
زمیں سہمی پڑی تھی آسماں ساکن تھا بیچارہ　　نہ اس سے پیشتر دیکھا تھا یہ حیرت کا نظارہ

پدر تھا مطمئن بیٹے کے چہرے پر بحالی تھی — چھری حلقوم اِسمٰعیل پر چلنے ہی والی تھی
مشیت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا — کہ اِسمٰعیل کا اِک رونگٹا کٹنے نہیں پایا

باپ نے کر دکھایا، بیٹے نے کر دکھایا، سب نے دیکھا، زمیں و آسماں نے دیکھا، ناطق و غیر ناطق تمام حیوانات نے دیکھا کہ ایک باپ اپنے لاڈلے، اپنی نرینہ اولاد کے حلقوم پر سخت دل ہو کر حکم خداوندی کی تعمیل میں چھری چلا رہا تھا، سب نے دیکھ لیا کہ محبت خداوندی محبت پدری پر غالب ہے؟ سب نے دیکھ لیا کہ ابراہیم نے ہر امتحان پاس کر لیا، اب ہر ایک کی نگاہ بارگاہِ ایزدی پر ٹکی تھی، ہر کوئی دیکھنا چاہتا تھا کہ ابراہیم کو اس امتیازی کامیابی و کامرانی پر کیا انعام ملتا ہے، اور جب عطاء خداوندی کی باری آئی تو پھر ہر ایک نے دیکھا کہ رب ابراہیم نے کیا کیا انعامات ابراہیم پر فرمایا؟

رب نے کہا: ابراہیم ہمارے محسنین میں سے ہے، رب نے کہا ابراہیم تو نے ہماری ایماء پر بیٹے کے حلقوم پر چھری رکھ دی، ہم قربانی کے اس عمل کو تا قیامت یادگار بنا دیتے ہیں، ہم تیری ذریت کو خانوادۂ انبیاء بنا دیں گے اور تیری ہی ذریت میں آخری پیغمبر مبعوث فرمائیں گے، جس کے نام کے ساتھ اے ابراہیم تیرے نام پر بھی تا قیامت درود و سلام بھیجا جاتا رہے گا اور اے ابراہیم ہم تمہیں اپنا خلیل قرار دیتے ہیں، یہ وہ مخصوص انعامات ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کے شایان شان دربار خداوندی سے عطا ہوئے۔

یہ ہے ابراہیم کی داعیانہ اور سرفروشانہ زندگی، جو آج بھی ہر ایک داعی کے لئے ہر ایک مومن کے لیے اسوہ اور نمونہ ہے، کفر و شرک کی سیاہ چادریں آج بھی تنی ہوئی ہیں، آج بھی ہر جانب آزری کھیل کھیلا جا رہا ہے، باطل آج بھی حق کو دبانے کے لیے ہر دم تیار ہے، آج بھی نمرود انہیں سرکشی اور طاغوتی عناصر کے ساتھ زندہ ہے، مگر آج جو چیز مفقود ہو چکی وہ جذبہ ابراہیمی اور ایمان خلیل ہے، خارا تراشی کا ہنر آج آزریوں کے پاس ہے، مگر ''کار خلیلاں خارا گدازی'' کا ہنر معدوم ہے، رحمت خداوندی آج بھی بیکراں ہے، مگر ابراہیم و اسماعیل سا کوئی مرد حق، مرد میداں موجود نہیں۔ اقبال کے یہ کلمات صد فیصد درست ہیں:

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اور اگر ذوق حاضر ہو تو پھر اقبال کا یہ پیغام بھی سن لیجیے:

ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خلیل
ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن

قربانی اور فریج وفریزر

ناصر الدین مظاہری

اگر میں کہوں کہ میں نے اپنے ہی گاؤں کے بے شمار غرباء کو قربانی کے دن بازار سے گوشت خریدتے بارہا دیکھا ہے، تو آپ کو یقین نہیں آئے گا، اور اگر میں کہوں کہ میں نے ایسے بہت سے افراد دیکھے ہیں، جنھوں نے غربت کی وجہ سے کبھی قربانی ہی نہیں کی ہے، تو شاید آپ کو اور بھی تعجب ہو۔ غربت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، بس یہ در اور گھر بدل رہی ہے۔ کبھی جہاں دولت کی ریل پیل تھی، حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ امیر لوگ مقروض ہو گئے۔ جو لوگ کئی کئی جانور ذبح کرتے تھے، آج ان پر قربانی واجب نہیں رہی۔ یہی تو اللہ تعالیٰ کا نظام ہے، وہی ہے جو رزق کے دہانے کھولتا ہے اور وہی ہے جو رزق کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ وہ غنی بھی ہے اور ہر چیز سے مستغنی بھی ہے، اُسے ہماری ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ ہم سب اس کے در کے فقیر اور منگتا ہیں۔ عشرت کے دنوں میں اگر آپ نے عسرت والوں کے لیے اپنے دل کا گوشہ نرم رکھا، اپنی سخاوت کا دریا جاری رکھا اور مہربانیوں وصلہ رحمیوں سے غریبوں کو نوازتے رہے، تو خداوند قدوس آپ کو بھی ہمیشہ نوازتا رہے گا۔ لیکن اگر آپ نے اپنے سے نیچے والوں کا دھیان نہیں رکھا تو اللہ تعالیٰ آپ سے نظرِ رحمت پھیر لے گا۔

قربانی کی آمد آمد ہے۔ غریبوں کے بچے خوش ہیں کہ قربانی میں انھیں پیٹ بھر کر گوشت کھانے کو ملے گا، اور ادھر کچھ امیر ایسے بھی ہیں جو بڑے بڑے فریج اور فریزر منگوا چکے ہیں۔ ان امیروں کی نیت یہ ہے کہ ہم قربانی کا بہترین گوشت اپنے فریزر میں ذخیرہ کر لیں گے، تاکہ مدت تک بازار سے گوشت خریدنا نہ پڑے۔ مجھے یاد آیا، دو تین سال پہلے ایسا ہوا کہ کئی دن تک بجلی نہیں آئی۔ انورٹر کہاں تک ساتھ دے سکتا ہے، جنریٹر ہر شخص نہیں رکھ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیروں کے فریج اور فریزر کا گوشت سڑ گیا اور پھر یہ گوشت پھینکنا پڑا۔ بہانہ تو بجلی کا نہ آنا ہے، لیکن حق اور سچ یہ ہے کہ یہ غریبوں کے حق کو مارنے کا نتیجہ اور انجام ہے۔ آپ بازار سے روز نیا گوشت کھاتے تو آپ پر کوئی فرق نہ پڑتا، لیکن غریب جو بے روزگار ہے، عیال دار ہے، مفلس و بے نوا ہے، وہ کیا کرے؟ میں نے گیارہ ذی الحجہ کو بہت سے گھروں میں سبزی اور دال پکتے دیکھی ہے، کیونکہ دس ذی الحجہ کو جو گوشت جمع ہوا وہ اسی دن کھا لیا گیا۔ اگلے دن قربانی کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔

اگر آپ بھی یہ منظر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کسی غریب، دور افتادہ گاؤں کا سفر کیجیے، ایک بڑی دنیا ایسی نظر آئے گی۔ خدا بھلا کرے ان لوگوں کا جو ایسے غریب گاؤں میں محض اس لیے قربانیاں کراتے ہیں تاکہ کم از کم غریب گھروں میں گوشت پہنچ سکے اور غریب بچوں کے چہروں پر خوشیاں آسکیں۔ خدارا! آپ صرف جواز اور استحباب پر نظر نہ کریں۔ یہ نہ دیکھیں کہ شریعت ضرورت کی وجہ سے اختیار دیتی ہے کہ آپ سارا گوشت اپنے پاس رکھ سکتے ہیں، بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ

گوشت کے حق دار کون کون ہیں۔

یہ گوشت پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے۔آپ خود گوشت پہنچائیں گے تو آپ کی عزت میں اضافہ ہوگا،غریب آپ کے دروازے پر لائن لگائے تو اس کی عزتِ نفس مجروح ہوگی۔اگر آپ چھوٹے جانور کی قربانی کرتے ہیں تو اس میں بھی تین حصے مستحب ہیں: پہلا حصہ اپنے لیے، دوسرا اعزیز و اقارب کے لیے، اور تیسرا غرباء کے لیے۔جب اللہ تعالیٰ آپ کو دینے میں کبھی کمی نہیں کرتا تو آپ غریبوں کے حق اور حصے میں کٹوتی کیوں کرتے ہیں؟

****

ملفوظاتِ عثمانی

سکون وراحت، انسانی زندگی کے سب سے بڑے دشمن ہیں، ممکن ہے کہ سانپ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہوتے ہوئے بھی کسی وقت انسان سے اچھا سلوک کرے، اور اسے کاٹ لینے سے رک جائے، ایسا ہوسکتا ہے کہ زہر انسان پر اثر نہ کرے اور انسان زہر کھا لینے کے بعد زندہ رہے، مگر ایسا نہیں ہوسکتا کہ جو قوم اور جو طبقہ تن آسانی اور راحت پسندی کا خوگر ہو جائے، اور جہد و کشمکش سے جان چرانے لگے، اسے قدرت عزت کی کوئی زندگی اور زندگی کا کوئی ایک لمحہ بھی عنایت فرمادے، عیش طلبی اور انسانی زندگی کا باہم ہوئی تعلق نہیں، زندگی میں عیش کا تصور و تلاش، انسان کے لیے ایک لاعلاج مرض ہے، اور عیش وراحت کی موجودگی، انسانیت کے ناموس وعزت کے لئے موت کا پیغام ہے!!

(ملفوظ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالی۔ بحوالہ: یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ، از: مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصرؒ)

سائنس اور قرآن

مولانا ثمیر الدین قاسمی

اللہ پوروے کو جمع کریں گے

یوں تو دنیا میں ہر آدمی کی شکل وصورت الگ الگ ہے، کڑوروں آدمی ہوں تب بھی ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں، کسی کی شکل پورے طور پر کسی سے نہیں ملتی۔ پھر بھی سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ ایک آدمی کی شکل وصورت دوسرے سے مل سکتی ہے اور بالکل ہم شکل ہو سکتے ہیں۔

لیکن ایک آدمی کا انگوٹھا نشان کسی بھی آدمی کی طرح نہیں ہوسکتا، ایک کا انگوٹھا نشان دوسرے میں کبھی نہیں ملتا، اسی لئے دفتروں میں ہر آدمی کا انگوٹھا نشان لیتے ہیں اور یہ ان کے لئے اہم پہچان ہوتی ہے۔ ابھی انگوٹھا نشان کے فوٹو کو کمپیوٹر پر چیک کر لیتے ہیں اور اس سے ٹھیک اس آدمی کو چوری میں پکڑ لیتے ہیں جس آدمی کا یہ انگوٹھا نشان ہے۔ اس زمانے میں پولیس کے کھاتے میں انگوٹھا نشان Finger Print کی بہت اہمیت ہے۔

قرآن کریم نے بھی اس نقطے کی طرف خاص انداز میں اشارہ کیا ہے، کفاروں کے اشکالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم کو یہ اشکال ہے کہ ہم قیامت میں بوسیدہ اور بکھری ہوئی ہڈیوں کو کیسے جمع کریں گے، ہم تو اس بات پر قادر ہیں کہ پوروہ اور انگوٹھا نشان جو انتہائی باریک ہے، اس کو بھی درست بنادیں گے اور ٹھیک کر دیں گے۔ جس کے ذریعہ سے ہر آدمی الگ الگ پہنچانا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

”بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ“ (سورۃ القیامہ:۷۵، آیت:۴)

ترجمہ(: ہم تو اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کر دیں)

آیت میں فرمایا گیا ہے کہ پوروے کو جمع کرنے پر قادر ہوں اور پوروے ہی میں انگوٹھا نشان ہوتا ہے، اس لئے آیت میں انگوٹھا نشان کی طرف خصوصی اشارہ کر دیا۔ سائنس اتنے زمانے کے بعد اس نقطے تک پہنچ سکی کہ کسی کا انگوٹھا نشان نہیں ملتا، قرآن کریم نے بہت پہلے اس کی اہمیت کی طرف انسانوں کو متوجہ کیا تھا اور اس باریک نقطے کو بیان کیا تھا۔

سبز پتوں کی اہمیت

سائنسی تحقیقات یہ ہے کہ فضا میں آکسیجن ایک مفید گیس ہے، اس کو انسان اور جانور سانس لے کر زندہ رہتے ہیں، اگر ان کو سانس لینے کے لئے آکسیجن نہ ملے، تو وہ چند منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہماری ہوا میں ۲۱٪ آکسیجن ہے اور ۷۸٪ نایٹروجن اور ایک ٪ واٹر ویپرز اور کاربن ڈائی اکسائڈ گیس ہے، انسان اور جانور سانس لے کر جب ہوا کو خارج کرتے

ہیں تو وہ ہوا کاربن ڈائی اکسائیڈ بن جاتی ہے، جو زہریلی گیس ہے اور انسانوں کے لئے مضر ہے، اگر فضا کاربن ڈائی اکسائڈ سے بھر جائے اور آکسیجن ختم ہوجائے تو تمام جانور اور انسان مرجائیں گے۔

اللہ تعالی نے یہ انتظام کیا ہے کہ سبز نباتات، درخت اور اس کے سبز پتے، فضا میں سے کاربن ڈائی اکسائڈ کو کھینچ لیتے ہیں اور سانس کے ذریعہ اندر لے لیتے ہیں اور اس کو آکسیجن میں تبدیل کر کے باہر پھینکتے ہیں، یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے، اگر سبز نباتات اور پتے فضا سے کاربن ڈائی اکسائڈ نہ کھائیں اور اس کے بدلے آکسیجن نہ پھیکیں، تو جانور اور انسان کی سانسوں کی وجہ سے فضا میں کاربن ڈائی اکسائڈ بہت زیادہ ہوجائے اور آکسیجن بہت کم ہوجائے، جس کی وجہ سے حیوانوں کا زندہ رہنا مشکل ہوجائے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے سیارے پر آکسیجن یا تو بالکل نہیں ہے یا بہت کم مقدار میں ہے، اس لئے ان سیاروں پر انسانی یا حیوانی زندگی نہیں ہے۔

اللہ کا عجیب نظام ہے کہ انہوں نے سبز مادے اور نباتات پیدا کر کے زمین پر آکسیجن کا وافر انتظام کر دیا، رب العالمین نے اسی طرف متوجہ کرتے ہوئے انسان پر احسان جتلایا ہے کہ میں نے تمہارے لئے سبز مادے اور نباتات پیدا کئے ہیں ارشاد ہے:

"وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا" (سورۃ الانعام ۶ آیت ۹۹)

ترجمہ: (وہی اللہ تو ہے جس نے آسمان سے پانی اتار، اپھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا، پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اس سے اوپر تلے چڑھ دانے نکالتے ہیں)

اس آیت میں ہر قسم کی نباتات اور سبز شاخیں اور پتوں کی اہمیت بیان کی، کہ ان سے جہاں پھل پھول نکلتے ہیں وہیں وافر مقدار میں آکسیجن بھی حاصل ہوتا ہے، آکسیجن سبز مادے اور پتوں سے زیادہ نکلتا، ہے اس لئے خضرا کا تذکرہ خصوصی طور پر کیا۔

آج سے چودہ سو سال پہلے جب کہ آکسیجن اور کاربن ڈائی اکسائڈ کا کوئی تصور نہیں تھا اور نہ اس کی کوئی تحقیق تھی کہ انسان آکسیجن کو سانس میں لیتا ہے اور کاربن ڈائی اکسائڈ پھینکتا ہے اور درخت اور خاص طور پر سبز پتیاں کاربن ڈائی اکسائڈ کھاتیں ہیں اور آکسیجن پھینکتیں ہیں، اس زمانے میں خالق کائنات نے اس کی اہمیت اور اس کی افادیت کو پر زور انداز میں بیان کیا۔

فقہ وفتاوی

مسائل قربانی

ادارہ

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال.....قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟ اگر والد زندہ ہو تو کیا بیٹے پر قربانی واجب ہے؟

جواب.....قربانی ہر اس مسلمان مرد وعورت، عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہے جس کے پاس قربانی کے دنوں میں حوائج ضروریہ، رہائش کا مکان، کھانے پینے کا سامان، استعمال کے کپڑے، سواری اور دیگر ضروریات کے علاوہ ساڑھے سات تولے (479.87 گرام) سونا، یا ساڑھے باون تولے (35.612 گرام) چاندی، یا اس کے برابر نقد رقم، یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا سامان ہو۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر باپ اور بیٹے دونوں کی ملکیتیں الگ الگ ہوں اور دونوں صاحب نصاب ہوں، تو ان میں سے ہر ایک پر قربانی واجب ہے، اور اگر باپ، بیٹا اکٹھے رہتے ہوں اور بیٹے کا کوئی مستقل کاروبار بھی نہیں اور نہ اس کے پاس بقدر نصاب رقم ہو تو بیٹے پر قربانی واجب نہیں۔

عورت پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

سوال.....ہمارے گھر میں سب لوگ شروع ہی سے ایک ساتھ اتفاق سے رہ رہے ہیں، گھر کی تمام تر ذمے داری خرچ، صدقہ، فطرہ اور قربانی وغیرہ بھی گھر کا ذمے دار فرد مشترک طور پر کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس طرح ہمارے گھر کے مردوں پر قربانی واجب ہے اسی طرح ہماری عورتوں پر بھی واجب ہے یا نہیں؟ جب کہ صورت حال یہ ہے کہ گھر میں موجود ہر عورت کے پاس ساڑھے سات تولے سونا اور استعمال کے کپڑے کم از کم 20 جوڑے اور کچھ نہ کچھ نقد رقم بھی ہر وقت موجود رہتی ہے۔ آیا اس حالت میں عورتوں پر بھی کیا قربانی واجب ہے؟ اور وجوب کی صورت میں عورت خود قربانی کرے یا گھر کے ذمے دار فرد کے ذمہ کر دے، کیوں کہ ہمارا گھر مشترک ہے؟

جواب.....عورت اگر خود صاحب نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے، چاہے وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، مذکورہ صورت میں چوں کہ گھر کی تمام عورتیں صاحب نصاب ہیں، لہٰذا ہر ایک کے ذمے الگ الگ قربانی واجب ہے، چناں چہ گھر کے ذمے دار کو چاہیے کہ ان کی طرف سے بھی قربانی کا اہتمام کرے۔

قرض لے کر قربانی کرنا:

سوال.....قرض لے کر قربانی کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب.....کسی شخص پر اگر قربانی واجب ہے اور نقد رقم نہیں تو قرض لے کر قربانی کرنا لازم ہوگا، اور اگر قربانی واجب نہیں تو قرض لے کر قربانی کرنا بہتر نہیں، تاہم اگر قربانی کرے تو قربانی ہو جائے گی اور ثواب بھی ملے گا اور قرض کی رقم ادا کرنا اس پر لازم ہوگا۔

قربانی کا جانور:

سوال.....کیسے جانور کی قربانی کرنا جائز، بلکہ افضل ہے؟

جواب.....قربانی کے جانور کا عمدہ، موٹا، تازہ اور عیبوں سے سالم ہونا ضروری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے آنکھ، کان خوب اچھی طرح دیکھ لیں، اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کے کان کا پچھلا حصہ یا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو، اور نہ ایسے جانور کی قربانی کریں جس کا کان چیرا ہوا ہو، یا جس کے کان میں سوراخ ہو۔ (ترمذی) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار طرح کے جانوروں سے پرہیز کرو: 1..وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ 2..وہ کانا جانور جس کا کانا پن ظاہر ہو۔ 3..ایسا بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو۔ 4..ایسا دبلا پتلا جانور کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

خصی جانور کی قربانی افضل ہے، کیوں کہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسے جانور کی قربانی کی ہے۔

جِلد کی بیماری والے جانور کی قربانی:

سوال.....ایسے جانور کی قربانی کرنا جس کو جلد کی بیماری ہو، شرعاً کیسا ہے؟

جواب.....اگر کسی جانور کو جلدی بیماری ہے اور اس کا اثر گوشت تک نہ پہنچا ہو تو اس کی قربانی درست ہے، اور اگر بیماری اور زخم کا اثر گوشت تک پہنچ گیا ہو تو اس کی قربانی صحیح نہیں۔

گھسے ہوئے دانت والے جانور کی قربانی:

سوال.....گھسے ہوئے دانتوں والے جانور کی قربانی کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب.....اگر جانور کے دانت گھس کر مسوڑھوں سے جا ملے، لیکن گھاس کھانے پر قادر ہے تو اس کی قربانی صحیح ہے، اور اگر گھاس کھانے پر قادر نہیں تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

قربانی کرنے کا صحیح وقت:

سوال.....قربانی کرنے کا صحیح وقت کیا ہے؟ نماز عید سے پہلے بھی جائز ہے یا نہیں؟

جواب.....جن شہروں یا بستیوں میں نماز جمعہ وعیدین درست ہے، وہاں عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کردی تو اس پر دوبارہ قربانی لازم ہے، البتہ چھوٹے گاؤں جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں، وہاں لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کرسکتے ہیں۔ کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہوسکی تو نماز عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔

رات میں قربانی کا جانور ذبح کرنا:

سوال.....رات میں قربانی کا جانور ذبح کرنا کیسا ہے؟

جواب.....گیارھویں اور بارھویں ذوالحجہ کی رات میں قربانی کا جانور ذبح کرنا درست ہے، دسویں اور تیرھویں کو نہیں، لیکن رات میں ذبح کرتے وقت جانور کی رگوں کے درست نہ کٹنے کا امکان ہے، اس لیے رات میں قربانی کرنا مکروہ ہے۔

ذبح کا مسنون طریقہ:

سوال.....قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اگر کوئی شخص خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب.....اگر کوئی شخص ذبح کرنا جانتا ہے تو اس کے لیے اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا افضل ہے، اور اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے بھی ذبح کرا سکتا ہے، مگر ذبح کے وقت وہاں خود حاضر رہنا افضل ہے۔ ذبح کے وقت اگر درج ذیل دعا یاد ہو تو اسے پڑھے، اور اگر دعا یاد نہیں تو کوئی حرج نہیں، دل سے ہی نیت کافی ہے، دعاء یہ ہے:

"اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ و الْاَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، اِنَّ صَلاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، لَا شَرِیْکَ لَہ، وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ" پھر "بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر" کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا (اگر یاد ہو) پڑھے: "اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّی کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍوَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمَا الصَّلاۃُ وَالسَّلَام"

قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا طریقہ

سوال.....قربانی کے گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟ کتنا حصہ فقراء کو دیا جائے، کتنا حصہ اپنے لیے رکھا جائے؟ اور اگر گوشت تقسیم نہ کیا جائے، بلکہ تمام گوشت اپنے پاس رکھا جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب.....قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں، ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے لیے رکھا جائے، ایک حصہ رشتے داروں میں تقسیم کیا جائے اور ایک حصہ فقراء ومساکین کو دے دیا جائے۔ اگر کوئی شخص تمام گوشت خود رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جامعۃ السعادۃ کیرانہ کی مطبوعات

(۱)تفسیر پارہ عم

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۲)التوحید (دلائل توحید اور رد کفر وشرک پر مدلل ومفصل کتاب)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۳)مختصر لغات القرآن

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۴)طلاق کا اختیار عورت کو کیوں نہیں

تحریر: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب۔ ترتیب وتخریج: مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

(۵)اسلام کا نظام طلاق (نقل وعقل کی روشنی میں)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۶)موڈرن عورت

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۷)اسلام کا پیغام انسانیت کے نام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۸)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ اول)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۹)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ دوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۰)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ سوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۱)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ چہارم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

جامعۃ السعادۃ واسعادالبنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعادالبنات'' قائم ہے۔اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ ،خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔یوپی 247774
رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

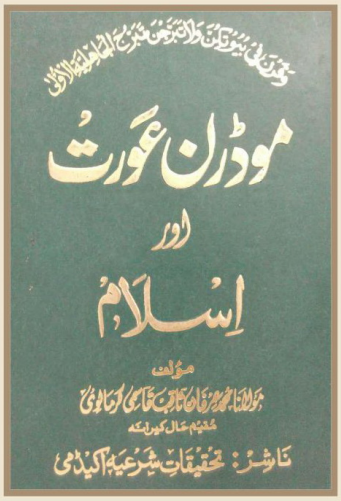

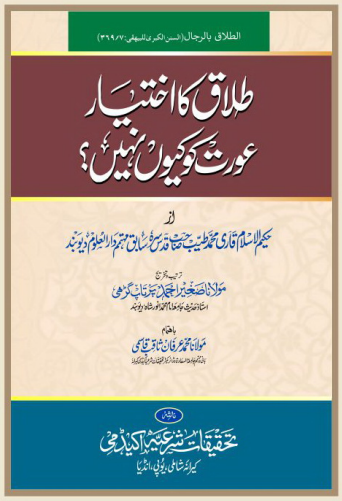

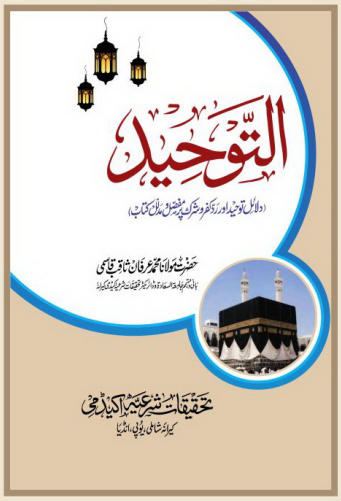

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768